بیادگار الحاج حضرت مولانا جمال الدین لبیب انوری

سوانح لبیب

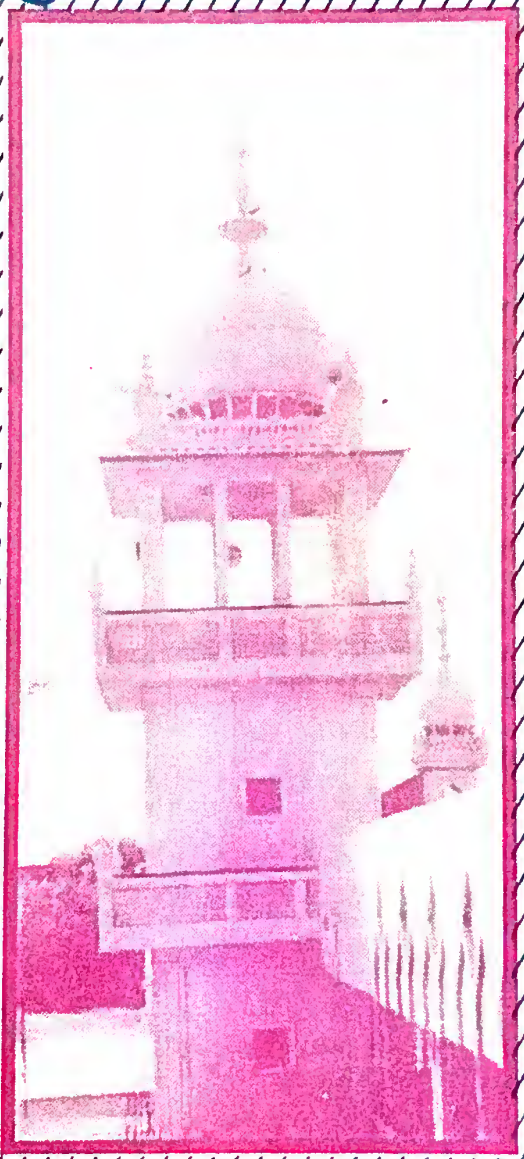

مرتب

حافظ عبد اللطیف صدیقی

صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ

ناشر: مولانا جمال الدین ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی گلی نمبر ۱۳، نیا پورہ، مالیگاؤں

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	:	سوانح لبیب
مرتب	:	حافظ عبداللطیف صدیقی
صفحات	:	۴۸
سن طباعت	:	نومبر ۲۰۰۰ء
طباعت	:	ہمدم پریس، مالیگاؤں
ناشر	:	مولانا جمال الدین ایجوکیشن لاینڈ ویلفئر سوسائٹی، مالیگاؤں
قیمت	:	۱۵/روپے

ملنے کے پتے:

(۱) **مولانا جمال الدین ایجوکیشنل اینڈ ویلفئر سوسائٹی،**
نیاپورہ گلی نمبر ۱۳/ مالیگاؤں

(۲) **مدرسہ اسلامیہ**
بڑا قبرستان، مالیگاؤں

بسم تعالیٰ

اظہارِ حق

از طرف : حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صدیقی (صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ)

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ایسے افراد کو وجود بخشا ہے جو انسانیت کے لئے جدوجہد کرنے والے اور اپنے آپکو نچھاور کرنے والے ہوتے ہیں۔ انہی پاکیزہ صفت انسانوں میں استاذ محترم فدائے ملت حضرت مولانا جمال الدین صاحب لبیب انوری نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی ہے۔ یوں تو ہم نے دیکھا اور جانا بھی ہے کہ انسان جب فراوانی میں ہوتا ہے تو اسے نیکی کے کام اور بھلائی کے راستے نظر آتے ہیں۔ مگر ہم نے ایسے انسانوں کو بہت کم دیکھا ہوگا جنہوں نے افلاس و تنگی میں دین کی خدمت انجام دی۔ ان نابغہ روزگار انسانوں میں استاذ محترم مولانا موصوف نے دین کی تڑپ میں اپنے آپکو جھونک دیا۔ اور دینا کی تمام ترقیات و مراتب کو پس پشت ڈال دی۔ علوم کی خدمت کیلئے اور اللہ کے بندوں کی رہنمائی کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مولانا موصوف نے بڑی غربت میں زندگی بسر کی ہے مگر علوم دینیہ کی خدمت کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ مولانا موصوف مولانا شاہ محمد اسحاق کے شاگرد تھے۔ مدرسہ بیت العلوم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد علم دین کی تڑپ میں ڈابھیل کا سفر کیا۔ اور جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں چار (۴) سال کا طویل عرصہ گزارا اور اس وقت کے بڑے بڑے مشائخ علماء میں علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ بدرالدین میرٹھی قابل ذکر ہیں۔ ڈابھیل سے فراغت کے بعد مالیگاؤں تشریف لائے۔ مگر آپکی دینی لگن نے آپکو بیٹھنے نہیں دیا۔ چنانچہ آپ نے دین کی خدمت کے لئے بمبئی کا سفر اختیار کیا۔ اور قرآن پاک پڑھانے کے لئے آپ کو مقرر کیا گیا۔ بمبئی میں رہتے ہوئے شہر عزیز مالیگاؤں کے لئے آپکو بڑی فکر تھی کہ یہاں کے باشندوں کو بھی علم دین سے آشنا اور بہرہ ور کرنا

چاہیئے چنانچہ اسی غرض سے مالیگاؤں تشریف لائے۔ اتفاقاً معہد ملت میں علم دین کی خدمت کا موقع ملا۔ تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرا کہ آپ معہد ملت سے وابستہ رہے مگر اسی درمیان مدرسہ میں علماء کے مابین اختلاف ہوا جس کے سبب آپ معہد ملت سے مستعفی ہو گئے۔ مگر پھر بھی علم دین کی کڑھن جو دل میں جاگزیں تھی وہ مولانا موصوف کو خاموش بیٹھنے نہیں دی۔ مولانا موصوف کی جو دل میں دھڑکن تھی وہ مدرسہ اسلامیہ واقع بڑا قبرستان کی شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ حالانکہ اس مدرسہ کے قیام کے وقت کچھ لوگوں نے اعتراض بھی کیا مگر آپکی ہمت پست نہیں ہوئی اور لوگوں کی تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر اللہ کے بھروسے ۱۹۵۵ء میں مدرسہ اسلامیہ کو قائم کیا۔

عزم محکم ہو تو ہوتی ہیں بلائیں پسپا
کتنے طوفان پلٹ دیتا ہے ساحل تنہا

اللہ کا کرم ہیکہ مولانا موصوف کی محنت مالیگاؤں کے مسلمانوں کے حق میں بہترین طریقہ پر ثابت ہوئی۔ مدرسہ اسلامیہ جو ایک پودا تھا تناور درخت بنا اور اس کے بعد اسی دینی درسگاہ سے صرف مالیگاؤں ہی نہیں بلکہ صوبہء مہاراشٹر کے بیشتر شہروں کے طلباء اپنے علم کی پیاس بجھانے کے لئے یہاں آتے ہیں اور سیرابی علم دین سے حاصل کرتے ہیں گویا کہ یہ مدرسہ مرکزی درسگاہ کا حامل بن چکا ہے۔ ایسے ہی انسانوں کے بارے میں شاعر کہتا ہے کہ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا موصوف دھن کے بڑے پختہ تھے چنانچہ پیرانہ سالی اور کمزوری کے باوجود عمر کے آخری حصہ تک مدرسہ اسلامیہ آتے رہے اور اپنے زرین مشورہ سے نوازتے رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہیکہ مولانا موصوف کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں مقام بلندی عطاء فرمائے اور مدرسہ اسلامیہ کو ہر بلا آفت سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عظیم کارنامہ

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدل دیتا ہے دم بھر میں جو دستور میخانہ

اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی بندے سے کوئی عظیم کام لینا چاہتے ہیں تو سعادت اسکے لئے مقدر فرما دیتے ہیں پھر اسی انداز سے مخصوص طور پر تربیت فرماتے رہتے ہیں۔ انہیں سعید اور بابرکت ہستیوں میں سے ایک عظیم نامور ہستی شہر عزیز مالیگاؤں میں آج سے ۹۲ سال قبل ماہ رمضان المبارک شب قدر میں رونق افروز ہوئی۔ بچپن میں صغر سنی میں ہی اپنے والد بزرگوار حافظ فیض اللہ (سابق امام رحمانی مسجد نیاپورہ) کے پاس ہی ناظرہ کلام پاک ختم کر لیا۔ بعدہ حافظ ثناء اللہ رحمتہ اللہ علیہ سابق امام بڑا سوناپور مسجد (حمیدیہ مسجد) کے مشورہ سے مدرسہ بیت العلوم میں عالمیت کے کورس میں داخلہ لیا اور دس سال کی مدت میں باقاعدہ حضرت مولانا استاذ الاساتذہ شاہ محمد اسحٰق نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ سے بخاری شریف تک پڑھکر ۱۹۲۸ء میں فراغت حاصل کی پھر ایک سال کے لئے چاندوڑ میں امامت و تدریس کے فرائض انجام دئے پھر مزید علمی تشنگی بجھانے کیلئے حضرت مولانا محمد تقی صاحب دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ سابق صدر مدرس مدرسہ بیت العلوم کے مشورہ سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں چار سال رہ کر اپنی قابلیت وصلاحیت کو چار چاند لگایا اس لئے کہ اس وقت ملک کی مشہور علمی شخصیتیں مثلاً حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا بدر عالم میرٹھی وغیرہم جامعہ ڈابھیل میں طلباء علوم دینیہ کی تشنگی دور کرنے میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین سے فراغت کے بعد ایک سال مدرسہ عین العلوم، بیلباغ میں مدرسی کے فرائض انجام دئے بعدہ بمبئی تشریف لے گئے۔ اور وہاں رہ کر کوشش کر کے سرکاری اسکول میں اسپیشل قرآن ٹیچر کی حیثیت سے خدمت علم دین میں مصروف ہو گئے۔ سترہ (۱۷) سال تک قرآنی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۵۳ء میں واپس شہر

عزیز مالیگاؤں تشریف لے آئے تو مدرسہ ملت قائم ہو چکا تھا۔ حضرت مولانا عبدالحمید نعمانی رحمت اللہ علیہ نے آپ کو مدرسہ ملت میں تدریسی خدمت کے لئے مدعو کیا۔ ایک سال تک کچھ خدمت انجام دینے کے بعد طریقہء تعلیم میں نظریاتی اختلاف ہونے کی بنیاد پر آپ مستعفی ہو گئے۔ اور ۱۹۵۵ء ۲۹ محرم ۱۳۷۵ھ میں اپنے استاذ محترم کے سرہانے ان کی یاد میں (ایک مدرسہ شبینہ جاری تھا) صبح و شام اور شب میں باقاعدہ مدرسہ جاری کیا۔ جس میں شعبۂ حفظ شعبہ اردو فارسی عربی وغیرہ کی تعلیم شروع ہو گئی اور ابتدائی پانچ سال تک آپ تنہا اپنی ذاتی صلاحیت اور حکمت عملی کے ساتھ اپنے دوستوں بزرگوں کے ہمراہ جن کو علم دین سے کوئی زیادہ واقفیت نہیں تھی مدرسہ کو ترقی دینے کی شب و روز کوشش کرتے رہے۔

ابتدائی بنیادی ارکان میں حضرت الحاج قاری حکیم محمد سلیم قطب علی سابق امام حمیدیہ مسجد، جانب پہلوان عبدالقادر صاحب، جناب الحاج بقاتی سیٹھ صاحب، عبدالغفور ڈرائیور صاحب اور محلہ کے معززین کی ایک کمیٹی بنا کر یہ کام شروع کیا۔ سرپرستوں میں حضرت مولانا جمال الدین صاحب نے استاذوں کا خادم رکھا۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یوسف عزیز، مولانا حافظ ثناء اللہ سابق مدرس مدرسہ بیت العلوم حضرت مولانا قاری شاہ محمد اشرفی رحمہم اللہ۔

پانچ سال کے بعد جب استاذ محترم حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمت اللہ علیہ معہد ملت سے علیحدہ ہونے کے بعد مدرسہ اسلامیہ میں حضرت مولانا موصوف کی دعوت پر تشریف لائے اور اعزازی طور پر دو تین گھنٹہ تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دینے لگے تو مدرسہ اسلامیہ کی مزید عملی ترقی ہونے لگی۔ اور باقاعدہ دو جماعت دورۂ حدیث سے ۱۹۶۶ء تک فارغ ہوئی اور چار پانچ جماعتیں عربی کی موجود تھیں۔ ۱۹۶۷ء میں جب ام المدارس مدرسہ بیت العلوم میں تجربہ کار منتظم استاذ کی ضرورت ہوئی تو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کو اپنی مادر علمی کی خدمت کیلئے بیت العلوم جانا پڑا۔ اور ۲۵ سال تک ناظم تعلیمات کے عہدہ پر رہ کر اس دار فانی سے رخصت ہوئے مگر مدرسہ اسلامیہ کی ترقی کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

عزیزان گرامی! چونکہ اب مدرسہ اسلامیہ کے ہی فارغین مدرس بن کر اپنی مادر علمی کی خدمت انجام

دینے لگے تو پھر آہستہ آہستہ تمام شعبوں میں ترقی ہونے لگی۔ کیونکہ حضرت مولانا لبیب صاحب اپنی نگرانی میں ہر استاذ کو تعلیم دینے کی عملی مشق کراتے اور رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا جمال الدین لبیبؒ ۳۲ سال تک صدر المدرسین و شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائض رہے۔ ۳۲ سال تک حضرت مولانا جمال الدین لبیبؒ نے شبوروز مدرسہ اسلامیہ کی تعلیمی ترقی کیلئے جدوجہد و کوشش کرتے رہے۔ جو آپ کیلئے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ ہے۔ آج مدرسہ اسلامیہ میں ۱۸ مدرسین اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے لئے شب وروز مصروف ہیں۔ حضرت مولانا موصوف کے نقش قدم پر چل کر مدرسہ کو ہر اعتبار سے ترقی دینے لے لئے فکر میں لگے رہتے ہیں۔ تمام ہی اساتذہ اسی مدرسہ اسلامیہ سے فارغ ہیں۔ بانی مدرسہ اسلامیہ کا یہ عظیم کارنامہ جسکی اجمالی مختصر رپورٹ یہ ہے۔

مدرسہ اسلامیہ ایک نظر میں

۱۹۵۵ء تا ۲۰۰۰ء، ۱۳۷۵ھ تا ۱۴۲۱ھ

کل فارغین تجوید وقرأت ۳۳۸ اور اردو کا پنج سالہ نصاب سے تعداد فارغین ۱۹۳۵ سکے علاوہ ہزاروں طلباء نے ناظرہ قرآن شریف اور ابتدائی دینیات سے مالامال ہو کر اپنی زندگی کو قیمتی بنانے میں لگے ہیں۔ بانی مدرسہ اسلامیہ کو اپنے چمن علمی سے بہت ہی گہرا لگاؤ تھا۔ بیماری کے ایام میں بھی روزانہ کئی کئی گھنٹہ مدرسہ میں گزارتے تب انہیں تسکین حاصل ہوتی۔ بدھ کے دن مدرسہ کا ششماہی امتحان لیا اور جمعرات کو تعطیل تھی مگر ایک قریبی عزیز کی میت میں تشریف لائے تو کچھ دیر مدرسہ میں تشریف فرما رہے۔ راقم الحروف کو اپنے تجربات سے واقف کراتے رہے اور مدرسہ کی ترقی کی لئے نصیحت فرماتے رہے۔ کسے معلوم تھا کہ یہ آخری نشست ہے۔ یہ کلمات نصیحت نہیں بلکہ کلمات وصیت ہیں۔ شب جمعہ انتقال ہوا، بعد نماز جمعہ تدفین عمل میں آئی۔ رحمت اللہ رحمت واسعہ۔

راقم الحروف (حضرت الحاج مولانا) عبدالباری قاسمی ابن حافظ ثناء اللہ

ناظم و شیخ الحدیث، مدرسہ اسلامیہ و خطیب حمیدیہ مسجد، بڑا قبرستان

۷ رجب ۱۴۲۱ھ ۶ اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز جمعہ

باسمہ تعالیٰ

استاذ محترم مولانا جمال الدین صاحبؒ

آپ کی شخصیت جس علو مرتبت کی حامل رہی ہے۔ اسکا تذکرہ کرنا اور اسکے متعلق لب کشائی کرنے سے بندہ قاصر ہے۔ آپ کا مزاج دین متین سے خاص مناسبت اور مطابقت رکھتا تھا۔ چنانچہ آپ اسکی اشاعت اور فروغ کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ مولانا موصوفؒ کے جذبہ دینی اور قلبی لگاؤ کا یہ واضح ثبوت ہیکہ آپ بمبئی میں اسپیشل قرآن ٹیچر کی حیثیت سے سرکاری اسکول میں اس عظیم خدمت کو اٹھارہ برس تک انجام دیتے رہے اسکے باوجود آپکے جذبۂ وافر نے آپکو بے چین کیا اور آپکی آرزوئے دیرینہ نے وطن عزیز (مالیگاؤں) کی طرف رجوع ہونے پر مجبور کیا کہ وطن عزیز میں کوئی مدرسہ قائم ہو جس سے ہزاروں تشنگان علوم فیض یاب ہوں۔ چنانچہ اسی امید کی تکمیل کے لئے مالیگاؤں تشریف لائے اور معہد ملت میں ایک دو سال تدریسی خدمات کو انجام دیئے۔ اسکے بعد چند ساتھیوں کے ساتھ بے سروسامانی کے عالم میں مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد آپ نے ڈالی۔ اور انتہائی قلیل تنخواہ پر آپ اکتفا کرتے ہوئے تدریسی خدمات میں کوشاں رہے۔ ابتداء میں مدرسہ میں طالب علموں کی کمی اور مدرسین کی کمی آپ کو نے چین کئے ہوئے رہتی تھی اسکے باوجود آپ انتھک کوشش کرتے رہے جس کے نتیجے میں بندہ پہلا طالب علم ہے کہ مولانا موصوف کے ہاتھوں درجۂ عالمیت کی سند فراغت حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور پڑھنے کے زمانے میں ہی مولانا موصوف کے کہنے پر میں ایک وقت پڑھتا تھا اور دوسرے وقت طلباء کو پڑھانے کی خدمت انجام دیتا رہا اور مولانا کے حکم کے مطابق صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور ایک مدت تک اس عہدہ پر فائز رہا۔ اسکے بعد ایک ایسی جماعت فارغ ہوئی جو مولانا موصوف کے حکم پر مدرسہ اسلامیہ میں تدریسی خدمات پر فائز ہوئی۔ اس طرح ہر سال درجۂ قرأت وحفظ سے اور درجۂ عالمیت سے طلباء فارغ ہوتے رہے۔ اور اپنے اپنے وطن پہنچ کر دینی علوم کی تبلیغ اور اشاعت میں مصروف رہے۔ اسطرح یہ مدرسہ دن بہ دن ترقی کرتا رہا اور

آج بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اور اپنی عمر کے ۷۴ سال پورے کر چکا ہے۔ اسطرح مولانا موصوف کا خواب دیرینہ پایہ تکمیل تک پہنچا۔ دعاء ہیکہ اللہ تعالیٰ اس شجر بارآور کو تا قیامت قائم و دائم رکھے اور مولانا موصوف کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور جنت میں درجات عالیہ سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

بندۂ ناچیز

حافظ و قاری مولانا عطاء الرحمٰن۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا جمال الدین لبیب انوریؒ کا دینی مشغلہ

حضرت مولانا جمال الدین لبیب انوریؒ کا علم دین سے کتنا لگاؤ تھا ان واقعات سے ان کا اندازی ہوگا کہ مولانا نے ممبئی کی نوکری جو اچھی خاصی بھی تنخواہ بھی معقول تھی دنیا کی فراوانی تھی لیکن ان کے دل میں ایک بے چینی تھی کہ میں علم دین حاصل کیا ہوں اس کو کیسے کام میں لاؤں اسی کڑھن کو لیکر آپ ممبئی کی سرکاری نوکری چھوڑ کر مالیگاؤں آبائی وطن واپس تشریف لائے۔ آکر کچھ سال آپ مہد ملت میں درس و تدریس کا کام انجام دئے۔ چنانچہ مولانا عبدالاحد ازہری اور مرحوم مولانا محمد حنیف ملی اور مولانا عبدالحمید ازہری صاحبان کو اپنی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ جو اپنے وقت کی معزز و قابل شخصیتیں ہیں۔ اسکے بعد مولانا مرحوم نے مدراسہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور آپ کی جو دیرینہ خواہش تھی اسکو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ جب تقریر کرتے یا طالب علموں کو درس حدیث دیتے آپ کے الفاظ سے دین کی تڑپ کا احساس ہوتا تھا۔ آپ ہمیشہ چھوٹے بڑوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتے۔ مولانا مرحوم اسی دینی تڑپ کو لیکر مسلسل کئی سال تک سلیمانی مسجد میں جمعہ کے دن تقریر کرتے تھے۔ آپ کی تقریر بالکل عام فہم انداز کی ہوتی تھی کہ عام آدمی بھی اسکو سمجھ جاتا تھا اور عوام پون بجے سے ہی سلیمانی مسجد میں آنا شروع ہو جاتی تھی۔ مولانا کو معمول تھا کہ آپ ہر جمعہ صلوٰۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے۔ یہ آپ کے معمولات میں سے تھا۔ آپ کے اندر ایک خاص وصف یہ تھا کہ آپ کسی کی غلطی کو اچھے انداز سے واضح کرتے اور

نصیحت کے انداز میں اس کو دور کرتے تھے۔ آپ اپنے آخری ایام میں بھی دین کی فکر کو لئے گاڑی پر بیٹھ کر آتے۔ مدرسہ کے طلباء اساتذہ سے اچھے انداز سے بات چیت کرتے۔ ظاہر میں آپ بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ لیکن باطن میں آپ کی سوچ و فکر جوان تھی۔ آپ نے کبھی دنیا کی طرف دھیان نہیں دیا یہی وجہ تھی کہ آپ دنیاوی اعتبار سے کچھ بنا نہیں پائے مگر آپ نے اپنی آخرت سنوار لی جو اصل مقصد ہے۔ یہ سب لکھتے ہوئے آپ کا یہ شعر بار بار دل میں گشت کر رہا ہے کو آپ نے اپنے انتقال سے دو تین روز پہلے کہا تھا۔

لبیب ایک روز ہم بھی جانے والے ہیں
جو ہو سکے تو کرو رخت آخرت پیدا

بہر حال مدرسہ اسلامیہ آپ کی زندہ و تابندہ یاد گار ہے۔

آخر میں دعاء ہیکہ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

نظم بیاد حضرت مولانا جمال الدین لبیب انوریؒ

علم و ادب کے پھول کھلائے ہیں انوریؒ
سرمایۂ حیات لٹائے ہیں انوریؒ

بچوں کو علم و فن کے ہنر سے سنوار کر
معیار زندگی کا بڑھائے ہیں انوریؒ

اردو زباں کو پھر سے بنا کر وہ لشکری
بچوں کو جان و دل سے پڑھائے ہیں انوریؒ

علم و ہنر کے نور سے روشن ہے مدرسہ
مہر و وفا کی راہ دکھائے ہیں انوریؒ

رستہ ہر اک کو سیدھا بتانے کو واسطے
اغیار کا بھی ہاتھ بٹائے ہیں انوریؒ

روشن ہیں ان کے دم سے زمانے کی منزلیں
تاریکیاں جہاں سے مٹائے ہیں انوریؒ

ظلم و ستم کا سامنا کرنے کے بعد بھی
صبر و وفا کا درس پڑھائے ہیں انوریؒ

علم و یقیں کی روشنی بچوں میں بانٹ کر
ذہنوں کو تابناک بنائے ہیں انوریؒ

ماہر ادب کی راہ دکھائیں نئی نئی
راہوں کو پر وقار بنائے ہیں انوریؒ

طلباء عربی ششم (حافظ جمال ناصر جمالی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ ۲۵ جنوری ۱۹۸۱ء

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

منظور ہے گذارش احوال واقعی اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

ناظرین کرام راقم السطور بفضلہ تعالیٰ شب قدر ۲۷ رمضان ۱۳۲۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۰۸ء مومن انصار گھرانے میں پیدا ہوا۔ حضرت والد ماجد الحاج حافظ فیض اللہ صاحب جو حافظ قرآن ہیں اور خوش قسمتی سے کچھ دنوں بعد محلے کی نئی مسجد میں امام بھی ہو گئے۔ اس تقریب سے محلے کے بچے دن میں گھر پر اور کاروباری حضرات بوقت شب مسجد میں والد صاحب قبلہ مدظلہ سے قرآن پاک پڑھنے آتے جاتے تھے۔ بنابریں والد صاحب نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ صغر سنی ہی میں کمترین کو ان طلباء کے ساتھ قرآن پڑھنے کے لئے بٹھادیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں قرآن مجید ختم کر لیا۔ بعدہ حضرت والد نے کئی مرتبہ سن سنا کر اتنا پکا اور رواں کر دیا کہ مجلس قرآن خوانی میں حفاظ کے برابر پارے ختم کر لیتا تھا۔ پھر قسمت کی یاوری سے مدرسہ بیت العلوم جو اس وقت مہاراشٹر کی واحد دینی درسگاہ سمجھی جاتی تھی ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) میں والد صاحب نے داخل کر دیا۔ بہر حال اللہ کے فضل و کرم سے دس سال کی مدت میں قاعدہ اردو سے بخاری شریف تک اور ساتھ ہی فن تجوید و قرأت سے فارغ ہوا۔ سند و دستار و حدیث و قرأت مدرسہ بیت العلوم کے منعقدہ جلسہ دستار بندی ربیع الاول ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۸ء) میں ہم دس قاریوں اور گیارہ مولویوں کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا قاری ضیاء الدین احمد آبادی نور اللہ مرقدہم کے مبارک ہاتھوں سے عطا کی گئی ۱۳۳۶ھ میں جب برائے تعلیم بیت العلوم میں داخل ہوا تو حسب ذیل علماء کرام وہاں مسند درس تدریس پر متمکن تھے جن سے اکتساب علم کا موقع ملا۔ جناب ماسٹر تاج محمد صاحب مدظلہ مدرس اردو اور حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ صاحب سابق امام بڑا قبرستان مالیگاؤں معلم حفظ و اردو دینیات اور حضرت مولانا قاری محمد حسین صاحب معلم تجوید و درس نظامی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ مدرس فارسی و عربی

نائب صدر۔ اور حضرت زبدۃ الفقہاء عمدۃ الفضلاء جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمتہ اللہ علیہ صدر مدرس تھے۔ (جن کی یادگار مدرسہ اسلامیہ بڑا قبرستان مالیر گاؤں ہے) پھر ۱۳۴۸ھ (۱۹۳۰ء) میں درسیات کی بعض کتابیں جن کا تعلق فنون عربیہ منطق فلسفہ ادب بلاغت وغیرہ سے تھے اس کی تکمیل کے لئے حسب مشورہ مولانا نقی صاحب کو مولانا اسحٰقؒ کی وفات کے بعد مدرسہ بیت العلوم کے صدر مدرس تھے اور بعد میں وہ شاہی مرادآباد کے مہتمم ہوئے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا مبارک سفر پیش آیا جو اسوقت اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے بقول مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی ہندستان کی سب سے بڑی درسگاہ سے کچھ اونچی ہی درسگاہ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ راقم الحروف جب وہاں داخل ہوا تو حسب ذیل علماء کرام واساطین امت مسند درس وتدریس پر متمکن تھے اور جلوہ گر تھے۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب پشاوری حضرت مولانا محمد یوسف صاحب پشاوری شاگرد خاص مولانا برکات احمد ٹونکی حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے فاضل دیوبند حال صدر سنی دینیات علیگڑھ یونیورسٹی حجرت مولانا حافظ قاری مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند دہلی اور حجرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مرتب فیض الباری) وترجمان السنہ تنزیل مدینہ منورہ اور حجرت مولانا سید محمد ادریس صاحب (مرحوم) خادم خاص حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب خادم خاص حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سراج البلغاء ادیب الادباء حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی نوراللہ مرقدہ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی شارح مسلم، طاب اللہ ثراہ وجعل الجنتہ مثواہ وحضرت علامۃ العصر فریدالدہر بخاری زمانہ تعمانی آوانہ۔ شیخ العلماء والمحدثین مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمتہ واسعہ صدر المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل یعنی علامہ کشمیریؒ سے بوجہ وفات آنجناب ۱۳۵۲ھ میں باقاعدہ شرف تلمذ حاصل نہیں ہوا، تاہم بسااوقات چہار سالہ دور طالب علمی میں آپ کے مواعظ اور آپ کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا ہے اور کئی دفعہ آپ کے درس میں بھی بحالت درس

بخاری شریف بیٹھنے اور استفاضے کا موقع نصیب ہوا۔ بہر حال ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا　　بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

غرض مذکورہ بالا قدسی صفات سے مسلسل چار سال تک فیضیاب ہونے کا زرین موقع ہاتھ آیا اور سند فراغ سے حسب ذیل وگراں قدر الفاظ کے ساتھ اساتذہ کو مذکورہ بالا حجرت مولانا احمد صاحب بزرگ مہتمم مدرسہ کی دستخطوں سے مزین ہو کر ملی۔ فمنهم صاحبنا و اخوانا فی الله المولوی القاری جمال الدین ابن حافظ فیض الله قد دخل فی هذه المدرسة وقرا الصحاح السته و الکتب الدرسیة و فاز بجد واجتهاد و بمناسبته تامة واستعداد ساتھ ہی مدرسہ کے سلانہ جلسہ دستار بندی میں جمعیۃ علماء ہند دہلی کے صدر علامہ مفتی کفایت اللہ کے مبارک ہاتھوں سے ہم سب کی دستار بندی ہوئی۔ الحاصل ؎ گرچہ

خردیم نسبتے ہست بزرگ　　ذرہ آفتاب تابانیم

بعدہ بسلسلہ مدرسی چاندوڑ کے چشمہ رحمت اور مالیگاؤں کے عین العلوم بیلباغ و عثمانیہ دار لعلوم انجمن جماعت اسلام نیاپورہ (موجودہ تعلیم النساء، نیاپورہ) میں کئی سال اور اسکے بعد عروس البلاد بمبئی میں بحیثیت اسپشل قرآن ٹیچر سترہ سال تک کام کیا پھر بفحوائے کل شئ یرجع الی اصلہ اپنے وطن مالیگاؤں کے مدرسہ ملت میں بحیثیت صدر مدرس عربی ایک سال اور ۱۳۷۵ھ سے آج تک مدرسہ اسلامیہ (بڑا قبرستان) میں بحیثیت صدر مدرس و ناظم تعلیمات کے فرائض منصبی انجام دے رہا ہوں جو ۱۳۶۸ھ سے بحیثیت مدرسہ شبینہ جاری تھا مگر ۱۳۷۵ھ سے مکتبین کے ذریعہ جاری کر دیا گیا۔ آج اس میں میرے علاوہ دس مدرس اور تقریباً ۳۶۰ طلباء قرآن حفظ قرآن اردو فارسی عربی کی ادنیٰ سے اعلیٰ تک کتابیں پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں۔ ۶۰ طلباء بیرونجات کے طعام و قیام کا بھی انتظام ہے۔ اور مالیات کی فراہمی اور اس کا بجٹ و دیگر انتظامی امور کی مستعدی سے الحاج عبدالقادر پہلوان عبدالقادر غلام دستگیر اپنی ماتحت ارکان منصرمہ کے ذریعہ انجام دے رہے ہیں

اللہ تعالیٰ اسکے جملہ معاونین و مخلصین کو اپنی رحمت خاص سے نوازے اور نیک عمل کی مزید توفیق عطاء فرمائیں (آمین ثم آمین) شعر و سخن میں حضرت علامہ مولانا عزیز میرے استاد ہیں۔

تقریر و تحریر کی ابتدائی مشق زیادہ تر ہندوستان کے مشہور ادیب اردو و عربی حضرت مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی سابق مدرس مدرسہ بیت العلوم اور مولانا عزیز کی توجہات جلیلہ کی رہین منت ہے۔ فجزا هم الله و عنی خیرالجزاء یوم الجزاء۔ خوش قسمتی سے حضرت والد صاحب کا سایۂ عاطفت ہم تیت بھائیوں اور بہنوں اور ان کی اولاد پر قائم ہے۔ راقم الحروف کے پانچ بڑے لڑکے اور ایک لڑکی مع ان کی والدہ بقید حیات ہیں۔ فا للهم و فقهم لم تهب و ترضیٰ وارزقهم شفاعة المصطفیٰ یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من الیٰ الله بقلب سالیم و احفظهم برحمتك و بحرمت حبیبك من كل بلاء الدنیا و عذاب القبر و عذاب الاٰخرة و صلی الله علیٰ حبیبه محمد واٰله وصحبه وبارك وسلم.

؎ من نہ گویم کہ طاعتم پذیر قلم عفو بر گناہم کش (سعدیؒ)

العاصی پر معاصی کمترین مولوی جمال الدین لبیب انوری صاحب

مالیگانوی مولداً اعظمی ابا و جدا حنفي مذهباً و مسلكاً

غفر الله لهٗ ولوالدیه ولاستاذیه ولمن له حق علیه

تدریسی خدمات

۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۵۸ھ میں پہلی تعلیمی خدمات کا سلسلہ مدرسہ چشمہ رحمت چاندوڑ ضلع ناسک مسجد مسگراں میں شروع ہوا۔ چونکہ مدرسہ مسجد سے متعلق تھا اسلئے مسجد کی امامت اور خطابت بھی میسر ہوئی۔ یہ سلسلہ ایک سال تک چلتا رہا۔ کئی لڑکے اور لڑکیاں ختم قرآن کیں اور کچھ بچے فارسی میں گلستان تک بھی پڑھے۔ اسکے بعد کئی ماہ حافظ محمد صدیق صاحب اسپیشل قرآن ٹیچر مدرسہ صحیات میونسپل مالیگاؤں میں مدرس تھے۔ ان کے رخصت لینے پر ان کی جگہ میں تجوید اور تعلیم قرآن کا مبارک کام انجام دیا۔ پھر قسمت کی یاوری سے وبفضل اللہ وعونہ حضرت مولانا محمد نقی صاحب صدرالمدرسین مدرسہ بیت العلوم جن کے پاس ہم نے ایک سال تک ھدایہ اولین کا درس لیا تھا ان کے اس مشورہ پر کہ دارالعلوم دیوبند کے اہم اساتذہ علوم وفنون عربیہ

مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں آگئے ہیں۔ لہٰذا تم دیوبند جانے کی بجائے اسی مدرسہ میں داخلہ لے لو اور وہاں کے اساتذہ سے میرا تعلق ہے وہ انشاء اللہ میری سفارش پر داخل کر لینگے چنانچہ ۱۹۴۸ء ۱۴ یا ۱۵ تاریخ تھی ہم اور مولوی محمد مرتضیٰ حسن ساکن محلہ قلعہ مالیگاؤں نے امتحان داخلہ لیا۔ امتحان میں کنزالدقائق شرح جامی مرقات اور نخبۃ الیمن تھی نتیجہ میں ہمیں شرح تہذیب نخبۃ الیمن کنز اور شرح جامی ملی بوقت داخلہ ہمارے دوست مولوی محمد مرتضیٰ حسن صاحب مالیگانوی ممتحنین کی نظر میں ہم سے زیادہ ہوشیار تھے مگر مولانا کو خانگی کچھ دشواریاں تھیں کہ وہ مالیگاؤں آکر اور اپنے گھر والوں کو لیکر سورت کے مومن برادری کے محلے میں ٹھہر گئے اور مزید تعلیم کے لئے مدرسہ حسینیہ راندیر جو انکی پرانی درسگاہ تھی داخلہ لے لیا۔ پھر چند سال بعد مولانا محمد الیاس خطیب امام مینارہ مسجد کے ساتھ دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں سے تکمیل کی سندلی مگر ہم جامعہ اسلامیہ میں برابر فارغ ہونے تک چار سال ڈٹے رہے۔ اللہ کی مہربانی سے پہلے ہی سہ ماہی امتحان کے وقت شرح جامی میں پچاس نمبر حاصل کیا (یعنی اول نمبر) اور سال کے آخر میں اسی کتاب میں انعامی مقابلہ میں ہم کامیاب ہوئے۔ مولانا کے سالانہ جلسہ میں یہ انعام علامہ محمد انور شاہ کشمیری، شیخ الحدیث جامعہ و سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے مبارک ہاتھوں سے ملا۔ اس ہمت افزا کلمات کے ساتھ لو بھائی مبارک ہو بڑے بزرگ کی کتاب میں یہ انعام مل رہا ہے۔ معاً ایں جانب دل میں خیال آیا کہ انعام دینے والے کس بزرگ سے کم ہیں۔

کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

بہر حال اسی طرح یہ سلسلہ نیک مسلسل چار سال تک چلتا رہا جس میں درس نظامیہ کی تمام اہم کتابیں ختم ہوئیں اور ہمیشہ اعلیٰ نمبروں سے کامیابی ہوتی رہی۔ خاص طور پر مختصر المعانی جلالین شریف اور بیضاوی اور دورۂ حدیث کی تمام کتابوں میں قابل رشک کامیابی حاصل ہوئیں جبکہ ہر سال بیماریوں کا سلسلہ بھی جاری رہا کیونکہ مدرسہ شہر کی عیدگاہ کے سامنے ایک باغیچہ میں واقع ہے اسکے باہر دو بڑے بڑے تالاب ہیں جس کی وجہ سے بکثرت بڑے بڑے مچھر پیدا ہو جاتے تھے اور مدرسہ تالاب کے قریب ہونے کی وجہ سے مچھر غریب طلباء کے ساتھ اٹکھیلیاں کیا

کرتے تھے۔ نتیجہ کے طور پر ہم اور دیگر طلباء کو ملیریا کا بخار ہو جاتا تھا۔ پہلے سال پندرہ روز مبتلا رہے دوسرے سال ایک مہینہ تیسرے سال ڈیڑھ مہینہ اور چوتھے سال دو مہینہ مسلسل مبتلا رہے اور یاد آتا ہے کہ اگرچہ امتحان میں کمزوری کی وجہ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے مگر محض اس خیال سے کہ یہ آخری سال ہے اگر امتحان میں نہیں بیٹھے تو آئندہ سال پھر آنا پڑیگا اسلئے چار و ناچار امتحان میں بیٹھ گئے مگر یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ علامہ شبیر احمد شاہ عثمانیؒ جو شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ہماری بخاری شریف کے استاد تھے اور امتحانی سوالات بھی انہوں نے مرتب فرمائے تھے ہمارے ایک دوست ساتھی جو مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کے بھتیجہ تھے اور اساتذہ کے پاس ہی اکثر رہتے تھے انہوں نے امتحان ختم ہونے کے بعد ایک دن کہا لو میاں حضرت مولانا تو آپ کی بڑی تعریف کر رہے تھے۔ تمام اساتذہ کی موجودگی میں اور علامہ عثمانی صاحب نے تمھارے متعلق فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص مر کے بچیگا وہ ایسا لکھ سکتا تھا۔ اس خوشخبری کو سنتے ہی اپنی بیماریوں اور کمزوریوں کا خیال کرتے ہوئے اور پھر اس پر اساتذہ کی شہادت، اس پر ہم نے امیر مینائی کا یہ شعر چسپاں کر دیا کہ ؎

فلک نے پیس کے گو سرمہ کر دیا ہم کو مگر حسینوں کی نظر میں ہیں سمائے ہوئے

پھر جب ہم آخری ملاقات کے لئے مہتمم مدرسہ مولانا احمد صاحب بزرگ سے ملے تو آپ نے برجستہ فرمایا رمضان شریف کی چھٹی گذار کر آپ یہاں آجائیں۔ درجۂ تجوید خالی ہے پہلے اسمیں پڑھاؤ چونکہ ہمیں آپ کو اس درجہ میں رکھنا نہیں اسلئے جیسے ہی کسی اور قاری کا تقرر ہو گیا تو ہم آپ کو درجۂ فارسی اور عربی کیلئے مقرر کر دینگے۔ چونکہ آپ کے جیسا طالب علم اس مدرسہ میں ہونا چاہیے یعنی جس مدرسہ میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی سراج احمد صاحب علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جیسے اساطین امت مدرس ہوں۔ مگر بدقسمتی کہ جب ہم فراغت کے بعد گھر پہنچے پہلے ہم نے اپنی بیماریوں کا تذکرہ کیا اسکے بعد مہتمم صاحب کا آڈر بتلایا تو حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تم وہاں بیمار رہتے ہو اسوجہ سے میری ہمت نہیں ہوتی کہ تم کو وہاں جانے کی اجازت دوں۔ چونکہ میں

ان کی اولاد میں سے تھا ان کی پرورش میں نشو ونما پایا تھا اور پھر وہ میرے پہلے استاد بھی تھے اسلئے میں ان کی مرضی کے خلاف نہیں کر سکتا تھا۔ اسکے بعد مالیگاؤں میں پہلے شبینہ مدرسہ عین العلوم میں ۱۹۳۷ء تک اور دن میں انجمن ہدایت اسلام کے تحت قائم کردہ مدرسہ عثمانیہ دار العلوم میں پڑھایا۔ جواب تعلیم النساء کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اسکے بعد اپنی ایک ضرورت سے ایک ٹیوشن پر بمبئی میں پچاس روپیہ ماہوار پر چلا گیا۔ جنوری ۱۹۳۷ء میں ایک پارٹ ٹائم اور ایک فل ٹائم جگہ اسپیشل قرآن ٹیچر میونسپل بمبئی کے لئے نکلی۔ ایک ماسٹر صاحب جو ہم کو مڈل کلاس کا جغرافیہ پڑھایا کرتے تھے تاکہ ہم ٹیوشن میں مڈل کلاس کے طالب علموں کو پڑھا سکیں۔ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ میری تنخواہ صرف پچاس روپئے ہے وہ بھی اہلحدیث کی مسجد میں صبح نماز پڑھ کر مجھے جانا پڑتا ہے۔ پھر بمبئی سے دو بجے واپس آتا ہوں تو انہوں نے بتلایا کہ آجکل میونسپل مدارس میں قاریوں کے لئے دو جگہ نکلی ہوئی ہے۔ میں جناب محمد عمر صاحب ایم اے سپرنٹنڈنٹ اردو مدارس بمبئی برائے صبیان کے دولتکدہ پر ان کے بچوں کو پڑھانے جاتا ہوں وہاں پر میں آپ کے متعلق تذکرہ کر دونگا۔ یہ خوشخبری سن کر بھی میں اس خیال سے مایوس ہو گیا کہ بمبئی میں میں نیا ہوں اور تعلقات مفقود ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دو جگہ کے لئے پچھتر ۷۵ آدمی امیدوار ہیں جس میں کچھ میونسپل مدارس کے مدرسین بھی شامل ہیں۔ اتفاقاً امیدواری کی آخری تاریخ سے ایک دن پہلے یعنی ۲۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو ہمارے دور نزدیک کے ایک ماموں تھے کو بڑے مہربان تھے ان سے تذکرہ کیا کہ اس جم غفیر میں ہم کامیاب ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں تو انہوں نے کہا کہ بھائی کامیابی اور ناکامی وہ موقوف ہے عرضی دینے پر لہذا آج ہی آپ عرضی دے دیں بلا تاخیر کے۔ چنانچہ ہم گھر آئے بھی نہیں لفافہ اور کاغذ خریدا اور عریضہ لکھا۔ ہمارے دوست مرحوم محمد عمر رجب ایم ایل اے بمبئی سے آفس کا پتہ لکھوایا اور فوراً بھائی کلہ جنرل پوسٹ آفس آیا اور وہاں خط ڈال دیا۔ اب ایک روز ماسٹر صاحب فرمانے لگے کہ تمام قراء کو انٹرویو کال جا چکا ہے۔ آپ کو بھی ملا یا نہیں ہم نے کہا کہ نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ آپ محمد عمر صاحب سے ملیں اور کہیں کہ انتیس تاریخ کو ہم نے بھی عریضہ کیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا جب آپ نے عریضہ

کر دیا ہے تو کہئے کہ میں نے بھی عریضہ کیا ہے۔ میرے عریضہ پر غور کیا جائے چنانچہ مقررہ دن جو جمعہ کا دن تھا بعد نماز جمعہ میں گلڈر ٹینک بلڈنگ پہنچا۔ اور امیدواروں کی لسٹ دیکھا تو میرا نام روشنائی سے امیدواروں کے نام کے آخر میں لکھا ہوا تھا۔ اندازہ ہوا کہ صاحب نے عریضہ کی تلاشی لی ہے۔ اور آخر میں نام لکھوادیا ہے۔ اس واسطے اصل امیدواری کی بحث ختم ہو گئی۔ اسی طرح حالات سازگار ہوتے گئے کیونکہ بہت زیادہ امیدوار تھے اور ہمارا نام آخر میں تھا اور امتحان ایک مقررہ بورڈ لے رہا تھا جس میں جامع مسجد کے خطیب مولانا غلام محمد صاحب اور مفتی محی الدین اکرمی صاحب اور صفیہ بیگم سر غلام حسین ہدایت اللہ جناب احمد علی صاحب سپرنٹنڈنٹ ایڈٹ مدارس بمبئی اور محمد عمر ایم ایل اے سپرنٹنڈنٹ اردو مدارس صبیان چونکہ جگہ دیڑھ تھی اور امیدوار بہت زیادہ اس واسطے انٹرویو بڑی جانچ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اسلئے ہمارا نمبر چوتھے روز آیا۔ جہاں سے فارغ تھے وہاں کی سندیں بنادیں۔ انہوں نے عم یتسالون کی سورہ ہم سے پڑھوایا چونکہ اسوقت ہماری عمر تیس سال کی تھی یعنی (جوان العمر تھے) اسلئے بڑی مصری میں بڑے آب و تاب کیساتھ پورا رکوع سنادیا۔ الحمد للہ کسی نے کہیں ٹوکا نہیں۔ پھر قواعد تجوید سے سوالات ہونے لگے۔ ہم سے پوچھا گیا کہ آپ نے لبالمرصاد کی را کو پر پڑھا ہے تو ہم نے کہا جی ہاں تو پوچھنے لگے کیوں؟ تو ہم نے اس سوال کا جواب کچھ اس طرح دیا کی را کے پر اور باریک پڑھنے کے سارے قاعدے بیان کر دیئے اور جواب کی تقریر کچھ اس طرح مربوط تھی وہ سب بڑے غور سے سنتے رہے اور کچھ بولے نہیں پھر خطیب صاحب نے قاری محی الدین صاحب سے پوچھا کہ آپ کچھ پوچھیں گے تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ شاید انہوں نے خیال کیا ہو کہ ایک بات پوچھو تو دس جواب دیتا ہے۔ ایسی صورت میں مزید پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر جامع مسجد بمبئی کے خطیب مولانا غلام محمد صاحب نے فرمایا کہ کیا آپ عالم بھی ہیں تو میں نے کہا جی ہاں۔ تو انہوں نے کہا کہ وجعلنا الیل لباسا وجالنا النھار معاشا ابھی آپ نے پڑھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کام کرنے کے لئے ہے اور رات آرام کرنے کے لئے اور بہت سے لوگ رات میں کام کرتے ہیں اور دن میں آرام کرتے ہیں تو اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہے؟ تو ہم نے اسکے جواب

میں ایک زبردست تقریر کی کہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ جو کچھ ہم نے پیدا کیا ہے وہ سب انسان کے فائدہ کے لئے انسان کی فطرت کے مطابق اس کا فائدہ اس میں ہے کہ وہ دن میں کام کرے اور رات میں آرام کرے پھر اس سوال کے جواب میں کہ بہت سے لوگ رات میں کام کرتے ہیں اور دن میں آرام کرتے ہیں تو اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہے تو ہم نے کہا کہ شریعت میں امور دو قسم کے ہیں ایک امور تکوینی اور دوسرا امور تشریعی۔ کیونکہ ہم نے ان دونوں باتوں کو سمجھانے کے لئے قرآن و حدیث کی بہت سی آیتیں اور احادیث اکٹھا کر دی تھیں اسواسطے ایک صاحب نے پوچھ کہ وجعلنا فوقکم سبعا شددا : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کا وجود ہے مگر سائنسداں آسمان کے وجود کا انکار کرتے ہیں لہٰذا نقلی دلائل سے نہیں بلکہ عقلی دلائل سے آسمان کا وجود ثابت کریں۔ چنانچہ مڈل کلاس کے جغرافیہ میں جو کچھ لکھا تھا اسی کے پیش نظر ہم نے کہا کہ چاند اتنا بڑا کرہ ہے کہ اس میں دنیا کی ایک چوتھائی زمین سما سکتی ہے اور سورج اتنا بڑا کرہ ہے کہ ایسی ایسی چار زمینیں اس میں سما سکتی ہیں اگر آسمان کا وجود نہیں ہے تو کیا اتنے بڑے بڑے کرے بغیر کسی سہارے کے ٹھہرے ہوئے ہیں تو خطیب صاحب نے فرمایا کہ ہاں اس میں ایک مقناطیسی اثر ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے اوپر کھنچے ہوئے ہیں تو ہم نے اس بات کو یہیں چھوڑ دیا اور ان سے پوچھا کہ جب نظر آرہا ہے تو سائنسداں اس کے وجود کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ آخر آسمان کا وجود مان لینے میں کیا خرابی ہے۔ تو ہم نے سوچ لیا تھا کہ اگر یہ ایسا کہیں کہ اتنی بڑی چیز بغیر کسی سہارے کے کیسے ٹھہر سکتی ہے تو ہم بھی کہہ دیں گے کہ جس کیوجہ سے وہ اوپر کھنچا ہوا ہے۔ اس میں بھی ایک مقناطیسی اثر ہے ہم نے پوچھا کہ آخر ایک چیز نظر آتی ہے تو سائنسداں انکار کیوں کرتے ہیں۔ ہاں جو چیز نظر نہیں آتی ہے اگر اس کا کوئی انکار کرے تو ایک حد تک اس کو معذور سمجھا جاتا تو اس کا جواب دیا جاتا جیسے اگر کوئی شخص خدا کا انکار کرے یا کوئی شخص کسی شہر کا انکار کرے جس کو دیکھا نہ ہو تو اس کو دنیا کے بنانے والے کے وجود پر دلیل پکڑیں گے اور یہاں ایک چیز نظر آتی ہے پھر بھی سائنسداں اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں آخر کیا خرابی ہے وجود کے مان لینے پر اس پر کوئی جواب کسی کسی سے بن تو پڑا نہیں اس پر احمد علی صاحب نے فرمایا کہ آپ سے کوئی پوچھے تو

آپ کیا جواب دیں گے اس پر غلام محمد خطیب صاحب نے فرمایا کہ جب آپ ان کے سوال کا جواب نہیں دے سکتے تو آپ کو پوچھنے کا کیا حق ہے اور ایک جواب وہی جو یہ دے رہے ہیں اس پر جمال الدین دل ہی دل میں پکار اٹھے کہ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ کیونکہ وہی صدر ممتحن تھے پھر تو سب ٹھنڈے پڑ گئے اور ہمارا صحیح پتہ پوچھنے لگے اور عمر پوچھنے لگے۔ جس سے ہمکو ایک گونا اطمینان ہوا کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ گر اسے منظور ہے چنانچہ جیسے جب کسی باپ کو خبر ہوتی ہے کہ زچگی ہو گئی ہے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے کہ آنے والا لڑکا ہے یا لڑکی اسی طرح ہم کو بھی بے چینی ہوئی کہ معلون کرنا چاہیئے کہ نتیجہ کیا نکلا یہ معلوم کرنے کے لئے ہم رات میں عمر صاحب کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا کہ بھائی آفیشیل بات بتائی نہیں جاتی مگر آپ آئے ہیں تو بتلا دیتا ہوں لیکن اگر آپ نے کسی کو بتلا دیا اور وہ شکایت مجھ تک آئی تو میں انکار کر دونگا۔ بہر حال آپ ہماری نظر میں دوسرا نمبر ہیں۔ پہلا نمبر جامع مسجد کے امام مولانا شیخ محمود کو کنی فاضل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل مگر چونکہ ان کی عمر کم ہے اور لڑکیوں کی اسکول میں بھیجنا ہے اسلئے ہو سکتا ہیکہ جب اس پر بحث اسکول کمیٹی میں آئے تو وہ مسترد کر دئے جائیں اور آپ کو فل ٹائم پر مقرر کر دیا جائے اور اگر ایسا نہ ہوا تو پارٹ ٹائم آپ کو مل کر رہیگا تو آپ ہر گز اسکا انکار نہ کریں۔ چونکہ ایک اور قاری صاحب عنقریب ریٹائر ہونے والے ہیں تو ظاہر ہیکہ آج جو پارٹ ٹائم پر ہو گا اسی کو فل ٹائم پر مقرر کر دیا جائیگا۔ اسی دوران جہاں ہم ٹیوشن پر تھے انہوں نے ایک روز ہم کو بہت زیادہ سخت سست کہہ دیا تو ہم نے ان سے آہستہ سے پوچھا کہ ہم کل سے نہ آئیں تو انہوں نے کہا کہ آپ کی مرضی۔ اسکے بعد ہم بال بچوں کو لیکر گھر چلے آئے ایک مہینہ بعد انٹرویو آفس سے آدر آیا کہ آپ کا تقرر فل ٹائم ہو گیا ہے۔ لہٰذا ۲۱ مارچ ۱۹۳۸ء کو اپنے کام پر رجوع ہوں آڈر کیساتھ ہی زبانی کہا گیا کہ آپ اپنی نیک چلنی سے متعلق دو معزز آدمیوں کی تصدیق لائیں چونکہ لڑکیوں کی اسکول میں بھیجنا ہے اور وہاں پر ہر عمر کی لڑکیاں ہیں اور مختلف مزاج کی استانیاں ہیں چنانچہ ایک تصدیق محمد عمر رجب ایم ایل اے بمبئی اور دوسری تصدیق مولانا محمد عرفان صاحب جنرل سیکریٹری آل انڈیا خلافت کمیٹی سے لیکر داخل کر دیا اور ہم اپنے کام پر انگیز ہو گئے۔ آگے چل کر جب اسکا تذکرہ سیٹھ

صاحب سے ہوا جن کے پوتے اور پوتیوں کو جو مختلف عمر کے تھے ٹیوشن پڑھاتا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تصدیق نامہ مجھ سے کیوں نہیں لے لیا اور میں وہ آدمی ہوں کہ جب میں کشمیر میں رہتا تھا اور جوان تھا تو ایک ایڈورڈ ہفتم کو تہنیت نامہ پڑھ کر سنایا تھا تو اس نے میری سچائی اور نیک نیتی کی تصدیق کی تھی بہر حال اس اس شان کے ساتھ ہمارا تقرر اسپیشل قرآن ٹیچر برائے اردو مدارس صبیان میونسپل بمبئی ہو گیا پندرہ سال تک اسپیشل قرآن ٹیچر رہے۔ کانگریسی حکومت آنے کے بعد تین سال تک اردو درجہ دوم کے مدرس رہے۔ چونکہ ہمارا بمبئی جانا اپنی بیوی کے آنکھ کے سلسلے مین ہوا تھا اسلئے ان کے متعلق اتنا لکھ دینا بے محل نہ ہوگا کہ ٹیوشن پر رہتے ہوئے حاجی بچو علی کے دواخانہ واقع پریل بمبئی میں ان کی آنکھ کا آپریشن ہوا۔ صحتیاب ہونے کے بعد ان کو امام باڑہ ٹرائینگ کالج بھیج دیا گیا۔ فرسٹ ایئر ہونے کے بعد کئے سال لڑکیوں کی اسکول میں ایک کامیاب معلمہ کی حیثیت سے کام کرتی تھیں۔ رضائے الٰہی سے ۲۹ اگست ۱۹۴۹ء بعارض دق ان کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۵۰ء سے تیسری سروس شروع ہوئی تو مرحومہ بیوی کے دو بچے امین الدین اور زین الدین تھے۔ اکثر ان میں ان بن رہتی تھی تو خیال ہوا کہ اپنے دو پاور لوم مالیگاؤں میں ہیں اسی کو اپنے قبضہ میں لیکر چلائیں اور اپنے خاندان کے بیچ میں رہ کر ان بچوں کی پرورش بھی اچھے ڈھنگ سے ہو جائیگی پھر بمبئی میں آخر آخر میں قرآن، قرأت، نماز روزہ کے مسائل اور ان کی تعلیم سے ہٹا کر کلاس ٹیچر بنا دیا گیا اسلئے ہم کو اس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں رہی۔ اتفاق سے جب ہم مالیگاؤں آئے تو مدرسہ ملت کو قائم ہوئے ایک سال گذرا تھا تو ان لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ میں تین مہینہ کی رخصت پر ہوں تو مجھے بلا کر یہ کہا گیا کہ آپ کو دینی و دنیوی دونوں مدارس کا تجربہ ہے اور ہم نے سنا ہے کہ آپ تین ماہ کی رخصت پر ہیں تو آپ ہمارا دفتر درست کر دیجئے اور پڑھایئے بھی چنانچہ ساٹھ روپیہ تنخواہ پر وہاں دونوں وقت پڑھانے لگا تو اس زمانے میں جو میں نے خاص مضمون پڑھایا وہ وہاں کی پہلی جماعت کو منہاج العربیہ چار حصہ پڑھ چکی تھی انہیں قدوری پڑھایا تو اس مدرسہ میں فقہ کی تعلیم کا آغاز اور قرأت کی تعلیم کا آغاز جن میں قاری غلام رسول صاحب شامل تھے کمترین کے ذریعہ شروع ہوا۔ چونکہ بمبئی کی تعلیم سے یعنی کلاس ٹیچری سے

طبیعت اچٹ گئی تھی اور دینی تعلیم اور اس کا نظام ہمارے لئے ایک گمشدہ نعمت تھی اسلئے ہم سال بھر بمبئی سے چھٹی لیتے رہے اور یہاں یعنی مدرسہ ملت میں کام کرتے رہے۔ دوسرے سال کے آغاز پر مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی سے طریقہ تعلیم پر ایک بحث ہوئی جو ان کے لئے ناگوار گذری اور انہوں نے ہماری ڈیوٹی دو وقت کے بجائے ایک وقت کردی تو ہم نے ان سے کہا کہ اگر آپ ہم کو پسند کرتے ہیں تو دونوں وقت رکھئے کیونکہ ایک وقت کیلئے چالیس روپیہ جو آپ دیں گے وہ ناکافی ہوگا اور یہاں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی ذریعہ معاش کچھ ہے بھی نہیں اور اگر آپ عاجز اور مجبور سمجھ کر ایک وقت ملازم رکھنا چاہتے ہیں تاکہ یہ شخص فاقہ سے بچے تو میں لنگڑا لولا تو ہوں نہیں، میری بمبئی والی ملازمت ابھی بھی قائم ہے۔

کچھ ہم کھنچے کھنچے رہے کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے

غرض یہ کہ رشتہ ٹوٹ گیا جو تھا چاہ کا۔

اس زمانے میں نماز مغرب کی امامت مسجد حمیدیہ میں کیا کرتا تھا۔ امام صاحب کے غیر حاضر رہنے پر چنانچہ ہمارے مرحوم دوست حاجی عبدالغفور عبداللہ صاحب موٹر ڈرائیور ایک روز مغرب کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے فرمایا کہ آپ جیسے قابل آدمی کا بیکار رہنا ہم پسند نہیں کرتے۔ آپ سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ اسلئے قبرستان کا مدرسہ جو رات میں جاری ہے آپ سے دن میں جاری کریں۔ چنانچہ جب اس کا تذکرہ جناب قاری حکیم محمد سلیم صاحب امام مسجد حمیدیہ سے کیا گیا تو انہوں نے یہ کہا کہ حاجی عبدالقادر پہلوان صاحب حج کے لئے گئے ہوئے ہیں وہ آجائیں اور وہ بھی اس کام میں شرکت کو پسند کریں تو میں اس کی اجازت دے سکتا ہوں چنانچہ حاجی صاحب خیر وعافیت یکم محرم ۱۳۷۵ھ کو حج سے واپس آگئے اور بات چیت ہوتے ہوتے انتیس ۲۹ محرم کو حضرت مولانا عبدالستار صاحب اعظمی صدر مدرس مدرسہ بیت العلوم، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب عزیز مدرس مدرسہ بیت العلوم اور مولانا قاری مفتی محمد حسین صاحب اشرفی ودیگر حضرات کی معیت میں مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد پڑی اور یکم صفر سے یہ مدرسہ راقم الحروف کے ذریعہ شروع کردیا گیا یعنی غالباً پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اپنی زندگی کا نا قابل فراموش واقعہ

پہلا واقعہ جب ہم بفضل اللہ تعالیٰ چوبیس ربیع الاول ۱۳۴۶ھ کے منعقدہ جلسہ دستار فضیلت مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں کو مدرسہ چراغ علوم کے سامنے ہوا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی و مولانا قاری ضیاء الدین صاحب الہ بادی کے مبارک ہاتھوں سے سند تجوید و دستار فضیلت حاصل ہوئی۔

دوسرا سب سے بڑا واقعہ جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسلسل چہار سال رہ کر اساطین امت اور بے مثال اساتذہ سے علوم و فنون عربیہ کا درس پوری جد و جہد سے لیا اور پھر اپنے بزرگوں کی دستخطوں سے سند فراغت علوم عقلیہ و نقلیہ سے ملی اور وہ واقعہ بھی نا قابل فراموش ہے جب داخلے کے پہلے سال جلسہ دستار فضیلت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مقابلہ میں پہلا نمبر آنے والوں کو انعامات مل رہے تھے۔ چونکہ ہم شرح جامی کی دو جماعتوں میں جس میں سے ایک جماعت کو مولانا عبدالجبار صاحب پشاوری صدر سابق جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پڑھا رہے تھے اور دوسری جماعت کو مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی کے پاس ہو رہی تھی۔ اول الذکر کے پاس بحث اسم اور ثانی کے پاس بحث فعل تھی جس میں ہم شریک تھے۔ ان دونوں جماعتوں میں ایک ہی انعام کا اعلان تھا اور اسی انعام میں ہم کامیاب ہوئے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے جلسے میں جب ہم کو انعام دینے لگے تو فرمایا کہ بھائی مبارک ہو آپ کو بڑے بزرگ کی کتاب میں انعام مل رہا ہے معا ہمارے دل میں خیال آیا کہ انعام دینے والے بھی کچھ کم بزرگ نہیں ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کے بارے میں یعنہ علامہ کشمیریؒ کی وفات کے بعد ڈاکٹر محمد اقبال نے جو منقبتی الفاظ حضرت کے بارے میں شائع کیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ گذشتہ دو سو سال میں تاریخ اسلامی نے ایسا محدث نہیں پیدا کیا اور خود ہم لوگوں نے حضرت کی وفات کے بعد مدرسہ جامعہ میں دو دن قرآن خوانی کروائی تھی اور تیسرے روز جلسہ تعزیت منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت مولانا مفتی مھدی حسن صاحبؒ شاہجہاں پوری نے کی تھی اس جلسے میں ایک نظم بطور مرثیہ لکھکر ہم نے بھی سنایا تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ ؎

وہ تیرا درس بخاری اور تحقیق عمیق　　جس میں مانا تھا تجھے دنیا نے بحتائے زمن

اس کی برکت سے کچھ نہ کچھ معمور ہے ہندوستاں　　بلکہ ہے مرہون منت آج تک چین و یمن

یوں تو دنیا میں بہت آئے محدث اور فقیہ　　لا نہیں سکتا مگر ثانی ترا چرخ کہن

حضرت شاہ صاحب کی وفات میرے لئے غم واندوہ کے سلسلے کی ایک زبردست کڑی ہے کہ جس سال ہمیں باقاعدہ ان سے پڑھنا تھا اسی سال ان کی وفات ہوئی۔ یوں تو غیر رسمی طور پر بسا اوقات شاہ صاحب کی درس بخاری میں خاص طور پر بخاری شریف کے افتتاح اور اختتام کے وقت آپ کی تقریر و تعلیم سے بہر حال مستفید ہونے کا موقع ملا۔ اسی طرح وہ سانحہ بھی نا قابل فراموش ہیکہ جب ہم تین بھائی اور تین بہنوں کو چھوڑ کر ۱۹۲۴ء میں ہماری والدہ محترمہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اگرچہ اسوقت تیسرے دن کی قرآن خوانی کے بعد والد ماجد نور اللہ مرقدہ نے پانے رفیق خاص اور استاذ بھائی جناب مولانا قاری حافظ ثناء اللہ صاحبؒ (سابق امام و خطیب مسجد حمیدیہ بڑا قبرستان) سے مشورہ کرنے لگے کہ میرے سب بچے چھوٹے چھوٹے ہیں اور ان میں دو ہی ہیں جو میری مدد کر سکتے ہیں ایک جمال الدین اور دوسرے محمد عابد اگر میں ان دونوں کو مدرسہ جانے دوں تو آمدنی کا نظام درہم برہم ہو جائیگا۔ چونکہ سب سے چھوٹا لڑکا قمر الدین ہے جو صرف ۱۴ ماہ کا ہے میں اگر اس میں الجھ رہونگا تو بننے کا کام بالکل بند ہو جائیگا اس صورت میں گذران کی کیا شکل ہو گی اسلئے کہ میں ایک ساتھ دونوں کو نہیں پڑھا سکتا۔ آپ ہی بتائیں کہ کس کو روکوں اور کس کو پڑھنے دوں تو خدا جزائے خیر دے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب کی جن کی زبان سے یہ نکلا کہ جمال الدین بڑا ہے اور نحو میر تک پڑھ بھی چکا ہے اسلئے اسکی تعلیم جاری رکھی جائے۔ یہ واقعہ میری زندگی کا نا قابل فراموش واقعہ اس وجہ سے ہیکہ اگر مولانا موصوف میری تعلیم جاری رکھنے کے حق میں مشورہ نہ دیتے تو میں بھی جاہل مطلق یا جہل مرکب میں مبتلا ہوتا جیسا کہ بہت سے ادھورے اپنے آپ کو کامل سمجھتے ہیں۔ اسی طرح غم واندوہ کے سلسلہ میں نا قابل فراموش واقعہ وہ بھی ہے کہ جب میں امین الدین اور زین الدین کی والدہ محترمہ سکینہ بی جو ۲۹ اگست ۱۹۴۹ء میں بعارض دق بمقام مالیگاؤں وفات پا گئیں۔ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۹ء تک ان کا ساتھ رہا اور یہ ساتھ

ظہیر احمد علی ابن
۲۸ ربیع الاول

رات اور دن کے ۲۴ گھنٹوں میں گویا ایک اہل علم کا ساتھ۔ دن میں اسکول کے اساتذہ کیساتھ اور شب میں اسکول کی معلمہ کے ساتھ۔ ان کی وفات پر بھی ہم نے ایک نظم لکھا تھا جو آئندہ صفحات میں شعر وشاعری کے سلسلہ میں آئے گا۔ بہر حال اس مختصر مضمون میں چند واقعات مسرت اور شادمانی اور غم واندوہ کے پیش خدمت ہیں۔ اسکو تحریر کرنے کے بعد خود مرحومہ کا پسندیدہ ایک شعر کیوں نہ نقل کردوں جس کو وہ ہمیشہ گنگناتی رہتی تھیں اور اتفاق دیکھئے کہ ویسا ہی ہو کر رہا۔ شعر حسب ذیل ہے ؎

میری بے کسی کا عالم کوئی اس کے دل سے پوچھے
جو بچھڑ کے رہ گیا ہو میری طرح کارواں سے

صحافتی زندگی اور اس کا آغاز

یوں تو جہاں تک مضمون نگاری کا تعلق ہے اس کی مشق مدرسہ بیت العلوم کی طالب علمی کے زمنہ سے ہی تھا۔ مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی اور مولانا محمد یوسف صاحب عزیز کی زیر تعلیم شروع ہو گئی تھی۔ لیکن اخبارات ورسائل میں اس کا سلسلہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فارغ ہونے کے بعد بڑی شان وشاوکت سے شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں کئی اصلاحی اور تنقیدی مضامین شائع ہوئے۔ مختلف اخبارات ورسائل میں باہر سے فراغت کے بعد ہمارے رفقائے علم وادب دوست اور ساتھیوں نے ادب کے نام سے ایک قلمی پرچہ جاری کیا۔ جو مختلف انجمنوں اور کلبوں میں دو، دو۔ تین، تین دن کے لئے رکھ دیا جاتا۔ پھر اسکے بعد حضرت مولانا و مفتی محمد شفیع صاحب مدرس و مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک رسالہ غایات النصب کے نام سے شائع کیا۔ جس کا دوسرا نام تھا مساوات اسلامی اور اسکی حقیقت، ہم نے اسکے جواب میں بعنوان مساوات مفتی دیوبند اور اسکی حقیقت رسالہ مومن جو بدایون سے نکلتا تھا۔ مولانا محمود الحسن انصاری صاحب کی ادارت میں اسکو مساوات نمبر میں شائع کیا جو باریک باریک حرفوں میں اٹھارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ اگر رسالہ کی عام کتابت کے موافق لکھا جاتا تو وہ چالیس (۴۰) صفحات سے کم کا نہ ہوتا۔ اسی طرح ایک جلسہ جو سید الطائفہ حضرت امداد اللہ صاحب کی برسی کا طور پر منعقد کیا گیا تھا اس کے

نصیر احمد انصاری
۱۱ فروری ۲۰۲۱ء

لئے ہم نے ایک مختصر سوانح عمری حاجی امداد اللہ صاحب کے نام سے شائع کیا اسکے بعد ہمارے شفیق استاذ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب عزیز نائب صدر مدرسہ بیت العلوم کی وفات پر ایک جلسہ وفات کے ایک سال کے بعد یعنی ۱۹۵۸ء میں فرحت منزل کے پاس منعقد کیا گیا جس میں حضرت مرحوم کی شان عالمانہ کے عنوان پر ایک مضمون لکھنے اور پڑھنے کے لئے بانیان جلسہ نے ہم سے درخواست کی تھی اور وہ مضمون جو کئی صفحات پر مشتمل تھا ایک قلم جنبش لمحہ جلسہ میں سنادیا۔ اور دو سال کے بعد وہ تمام نظمیں اور مضامین جو مشاعرہ یوم عزیز کے جلسہ میں پڑھی اور سنائی گئی تھی ترتیب دیکر ہم نے اپنے خرچ سے شائع کیا۔ چونکہ مدرسہ اسلامیہ کے جملہ امور ضروریہ سے تعلق اس خاکسار کا شروع ہی سے رہا اسلئے کوئی قابل ذکر تصنیف کا موقع نہیں ملا۔ اگرچہ کہ گذشتہ کئی سال سے اس کا ارادہ کر رہا ہوں معلوم نہیں اس پیرانہ سالی اور بیماریوں کے ہجوم میں اس کا موقع ملتا ہے یا نہیں اگرچہ کہ ہم مذکورۃ الذیل شعر کے پیش نظر تادم آخر اس ارادہ سے باز نہیں آسکتے کہ ؎

کٹے سر تو کٹنے دے کوچے میں انکے　　قدم اسکے در پر بڑھائے چلا جا

دعوت اور ارشاد کے متعلق

جہاں تک دعوت اور ارشاد کا تعلق ہے تو اس کی جد و جہد کا سلسلہ بھی مدرسہ بیت العلوم کے طالب علمی کے زمانے سے شروع ہے اور مذکورہ بالا دونوں اساتذہ کرام اسکی تعلیم و تربیت میں لگے ہوئے تھے۔ مدرسہ بیت العلوم کے کسی بھی جلسہ میں نظم پڑھنے یا نظم سنانے یا زبانی تقریر کا موقع آتا تو اکثر ہم اور حضرت مولانا قاری حافظ محمد عثمان صاحب صدر جامعۃ الصالحات پیش کئے جاتے اور جب ہم دونوں کی مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے پاس شروع ہوئی تو حضرت مولانا اکثر ہم کو اپنے وعظوں میں لے جاتے تھے۔ پہلے ہم دونوں کچھ حدیثیں بیان کرتے اس کے بعد حضرت کا وعظ و ارشاد حاضرین کے ایمانوں کو تازہ اور منور کرتا۔ اس خاکسار کا تعلق چونکہ بچپن ہی سے رہا ہے اور آج جبکہ عمر کے پچھترویں ۷۵ سال میں چل رہا

ہے کبھی بھی وہ تعلق منقطع نہیں ہوا اس وجہ سے جہاں کہیں بھی رہا چاندوڑ میں بھی دوران ملازمت، اور بمبئی میں بھی محرم، ربیع الاول، ربیع الآخر، رجب، شعبان اور رمضان غرض کہ تمام مبارک راتوں اور دنوں میں مختلف محلوں، مسجدوں اور بلڈنگوں میں یہ سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۵۴ء میں جب مالیگاؤں رجوع ہوا جب سے آج تک بھی یہ سلسلہ جاری ہے خاص کر جب سے سلیمانی مسجد کی امامت اس کی تعمیر کے بعد ہی سے شروع ہوئی جب سے آج تک جمعہ کی نماز سے پہلے تھوڑی دیر میری تقریر ہو جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر اس موقع پر یہ لکھ دیا جائے تو نامناسب نہیں ہوگا کہ جب حضرت مولانا حافظ قاری محمد عثمان صاحب ۱۳۵۱ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تو ہم سب نے ان کے لئے استقبالیہ جلسہ کیا اور اس جلسے کے لئے تہنیت اور استقبالیہ مضمون ہم نے لکھکر سنایا اس مضمون کی فصاحت و بلاغت اور چستی کو دیکھ کر حضرت مولانا محمد نقی صاحب نے فرمایا کہ اگر میں بھی یہ لکھنا چاہتا تو ایسا نہیں لکھ سکتا تھا اسی طرح جب ہم آئندہ سال فارغ ہو کر آئے یعنی ۱۳۵۲ھ میں تو ہمارے لئے بھی استقبالیہ جلسہ اور تہنیت نامہ پڑھا گیا جس میں خاص طور پر توجہ کے لائق خطیب العلماء کا خطاب تھا۔ چونکہ اس مضمون کو عنوان ارشاد و تبلیغ ہے اس وجہ سے ذکر کر دیا گیا۔ ؎ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔

سیاست سے تعلق

گذشتہ پچاس برس ہندوستان میں ایسے گذرے ہیں کہ جس میں رات و دن کے اکثر اوقت سیاست کے ذکر اذکار میں گذرے۔ خواص تو خواص عوام بھی کسی نہ کسی درجہ میں اس سے متعلق یا متاثر ہوئے۔ اسلئے کسی ایسے آدمی کا جو برسوں تعلیم و تعلم کیساتھ سیاسی علماء کیساتھ رہا ہو۔ گاندھی جی جیسے بابائے سایست سے ملنے کے لئے ڈابھیل سے چار میل کا سفر پیدل طے کر کے ملا ہو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ان کا تعلق سیاست سے رہا ہے یا نہیں تعجب خیز ہے۔ ہاں شاید یہ خیال اسوجہ سے آیا ہو کہ کسی تحریک میں نمایاں حصہ لیکر قید و بند کی صعوبتیں نہیں اٹھانی پڑی

تو ظاہر ہے کہ اسکی وجہ تعلیم و تعلم کے ساتھ انتہائی انہماک اور خانگی پریشانیاں تھیں۔ مگر ۱۹۳۸ء سے ۱۹۵۳ء تک سرکاری ملازمت پر گزرے جو تحریک کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ پھر بھی کب سے ہوش سنبھالا ہے جب سے آج تک ہندوستان اور بیرون ہند میں کیا سیاسی انقلابات ہوتے ہیں اور کیونکر ہوتے ہیں اس سے بالکل بے خبری ہو ایسا نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہیکہ بمبئی جانے سے پہلے مالیگاؤں کی کانگریس کا ممبر تھا اور بمبئی جانے کے بعد عام غیر مسلموں کے جذبات اور خیالات سے متاثر ہوا جس کا کچھ اشارہ قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر سے بھی ملتا ہے۔ ہم نے مسلم لیگ کی ممبری قبول کی اور جمعیۃ علماء اسلام جس کے صدر نشین علامہ شبیر احمد عثمانی تھے اس کی بمبئی والی شاخ کے ہم بھی ممبر ہوئے اور اسی کے تحت بمبئی کو فرقہ وارانہ فسادات کے زمانہ میں جس کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ مسلم ھاسپٹل قائم کر کے اس میں مسلم زخمیوں کی دیکھ بھال کرتے رہے نتیجہ کے طور پر اس ہاسپٹل میں سوائے سیک بوڑھے کے جو زخمی ہونے کے دو دن بعد ہاسپٹل میں داخل ہوا تھا باقی سب صحتیاب اور تندرست ہو کر نکلے۔ اسی طرح بمبئی کے تمام جلسوں میں خواہ اس کا تعلق کانگریس سے ہو یا مسلم لیگ سے مگر ہم شریک ہوتے رہے اور جب سے مسلم لیگ اور کانگریس کے اتفاق و اتحاد سے پاکستان اور ہندوستان کی بنیاد پڑی اور حکومتوں کے مقابلہ میں ہم ہندوستانی حکومت کو اپنی حکومت سمجھ کر وفادار ہیں اگرچہ کہ اپنوں سے جو غلطیاں ہوتی ہیں اس کو برا سمجھتے ہیں اس سلسلہ میں ہماری ذاتی رائے یہ ہیکہ اگر بر سر اقتدار پارٹی اسی جذبہ خلوصیت اور ایثار و قربانی جس کا بار بار وعدہ انتخاب کے اسٹیج سے کیا جاتا ہے اس کے موافق عمل اگر اقتدار ملنے کے بعد کیا جائے تو یہ ہندوستان جو قدرتی نعمتوں سے مالا مال ہے کہ اسے جنت نشاں ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہو سکتی مگر افسوس صد افسوس کہ اقتدار ملنے کے بعد ان کو ہڈ گھاٹنوں میں وزراء کو لگائے رکھنے کی جد و جہد کرتے رہتے ہیں اور دیگر عیش و عشرت کے سامانوں میں الجھا دیتے ہیں اور یہ حضرات بھی بڑی حد تک اپنے فرض منصبی سے دور ہٹ جاتے ہیں یا خیال تو رکھتے ہیں مگر جماعت بندی اور تعلقات کے بقاء اور اس کے فروغ کے پیش نظر اپنے عہدہ کے مقتضیات پر عمل کرنے سے

قاصر رہ جاتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مچھلی پورے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے اگر خدانخواستہ اسی تالاب میں چند مچھلیاں اچھی ہوں اور باقی گندی تو اس تالاب کا کیا حشر ہوگا آپ خود ہی غور فرمالیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

خدا کرے کہ ہندوستان اپنے باوقار وزراء اور باعظمت افسران کے دلوں میں ان کے نیک خیالات اور خدمت خلق کے جذبات میں اتنا جوش و خروش پیدا کر دے کہ وہ اسی کو کامیاب کرنے پر لگ جائیں۔ اور تمام مردوں اور عورتوں اور بچوں کو اپنا کنبہ سمجھ کر انکی سرپرستی اور ان کے عیش و آرام کا خیال رکھیں اور ہر بگڑے ہوئے کو بنانے کیلئے اور راہ راست پر لانے کے لئے وہ طریقہ اختیار کریں جو جرائم کو کم کر دیں اور محاسن کو بڑھا دیں تو ؎

عجب کیا ہے کہ جو بیڑہ غرق ہو پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یاں بھی دیکھے ہیں

معاصرین سے اختلاف

معاصرین سے جہاں تک اختلاف کا تعلق ہے مذہبی بھی رہا اور سیاسی بھی۔ لیکن نہ اس حد تک کہ جس سے اپنے ماننے والوں کو اور مخالفین کے ماننے والوں میں اختلاف و انشقاق فساد اور جھگڑے کی نوبت پہنچی ہو۔ اپنے مسلک کی اچھائیاں بیان کی گئیں اور مخالفین کے مسلک کا تذکرہ برائے نام اشاروں اور کنایوں میں آتا رہا۔ جیسا کہ شریعت کا حکم ہے کہ کسی کی آبروریزی کرنا اسکے قتل کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی کو قتل کر دینے سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ جہیں کہیں قرآن شریف میں بدلہ لینے کیلئے کہا گیا وہاں اکثر و بیشتر : فان تعفوا اقرب للتقویٰ بھی فرمایا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بدلہ لینے کی بجائے معاف کر دینا اچھا ہے۔ بشرطیکہ اس کا تعلق ذات سے ہو۔ اگر اسلامیات سے ہے یا سیاست سے ہے تو وجادلھم با التی ہی احسن پر عمل کیا جائے۔ ہمارا تعلق سیاست سے رہا یا نہیں اس کے ثبوت کیلئے ایک نظم کو مسٹر جناح سے متعلق لکھی گئی تھی جس کو انقلاب نے جلی حرفوں میں شائع کیا تھا ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اسی طرح

جمعیۃ العلماء شعبہ بمبئی کی جانب سے گاندھی جی کے قتل کے بعد گاندھی جینتی کے ایک جلسہ میں چوپاٹی بمبئی میں منعقد کیا گیا تھا اور جس میں ہر مذہب کے لوگ اکٹھا کئے گئے تھے ہر عالم اپنے مذہب کی مقدس کتاب کی کچھ سطریں پڑھتا تھا ہم نے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص قرأت کیساتھ مع ترجمہ سنایا تھا جو اسی دن انگیو نیز میں جلسہ کی تصویر کیساتھ شائع ہو گیا تھا۔

شیخ کامل سے نسبت

چونکہ ہمارے سب کے بڑے استاد حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب نقشبندی مجددیؒ ایک زبردست عالم باعمل ہونے کے علاوہ راہ طریقت و سلوک سے پوری طرح واقف کار تھے اور ان کی صحبت میں رہ کر یہ معلوم کیا کہ طریقہ نقشبندیہ عین سنت نبوی کے مطابق ہے۔ اسوجہ سے اس خاندان میں مرید ہونے کا ارادہ تھا اور حضرت ہی سے تھا مگر درس نظامیہ سے فراغت کے بعد ابھی چار مہینہ ہی گذرا تھا کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ بائیس رجب پیر کا دن گذر کر رات میں عشاء کے قریب وفات پا گئے اور یہ ارادہ صرف ارادہ بن کر رہ گیا تاہم کبھی کبھی اس کا خیال آتا تھا اور نقشبندی خاندان کے پیر و مرشد کی تلاش ہونے لگتی تھی آخر شدہ آج سے بارہ تیرہ سال پہلے حیدرآباد پہنچے۔ حضرت مولانا محمد صابر صاحب ایولوی ثم حیدرآبادی کے مہمان ہوئے اور جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ جن کے خلیفہ تھے یعنی مولانا برکت علی صاحب کے اور اتفاقاً ان کے دو پیر بھائی بھی انہیں کے پیر خلیفہ تھے ان میں ایک صاحب کے مولانا برکت علی صاحب کو بھی خلافت ملی پھر مولانا محمد صابر صاحب نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کا خلیفہ اور ارادت مند میں بھی اسلئے ہم نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت مولانا محمد صابر صاحب سے مرید ہو گئے اور ان سے ذکر اللہ کا طریقہ سیکھا اور اب اس سلسلے میں ہماری رہنمائی حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب مدظلہ العالی جو مدرسہ عربیہ بھوپال کے مہتمم ہیں وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں فجزاهم الله خير الجزاء يوم الجزاء۔

شاگرد رشید کے متعلق

چونکہ فراغت کے بعد سے آج تک پچاس (۵۰) سال کا زمانہ گذر رہا ہے ہمیشہ ہمارا تعلق تعلیم و تعلم سے رہا۔ صرف بمبئی میں جہاں ہر ہفتہ دس اسکولوں میں قرأت، نماز، اور روزہ کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح ایک ہزار لڑکیاں ہمارے زیر تدریس رہتی تھیں ہر سال چند اسکولوں کا تبادلہ بھی ہوتا تھا اسلئے زیر درس لڑکیاں بھی بدل جاتی تھیں اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم تقریباً تیرہ سال اسپیشل قرآن ٹیچر رہے تو کتنی ہزار لڑکیاں ہماری دینی تعلیم سے مستفید ہوئیں۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جسے ہم نے اپنے چند رفقاء اور بزرگوں کی معیت میں صفر ۱۳۷۵ھ میں قائم کیا تھا اور ابتداء کے چند سالوں میں پوری تاب و توانائی کیساتھ ہمکو مدرسہ کے متعلق ہر کام کرنا پڑا قریب قریب دو مدرس کا کام ہر سال ہم تنہا کرتے رہے۔ پھر سال پورا ہونے پر ایک مدرس بڑھادیا جاتا تھا۔ یہ معلوم کر کے آپکو مسرت ہوگی کہ وہ ہزاروں طلباء جو مختلف علوم وفنون میں تکمیل تک تو نہ پہنچ سکے پھر بھی دینیات، عبادات اور اسکے لوازمات سے بڑی حد تک واقف کار ہوئے ان کے علاوہ ایک سو پینتالیس (۱۴۵) حافظ ایکسو اسی (۱۸۰) قاری اور بیس (۲۰) عالم دین فاضل و کامل ہو کر نکلے ہیں جسے صرف اللہ کی مہربانی اور اسکی بندہ نوازی پر محمول کیا جاسکتا ہے ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

جہاں تک شاگردان رشید کا تعلق ہے ایسے کئی حافظ اور قاری کے علاوہ اس مدرسہ کے صدر مدرس جناب مولانا حافظ قاری عطاء الرحمن صاحب ایولوی ثم مالیگانوی جناب مولانا قاری محمد امین الدین صاحب قاسمی (فاضل دیوبند) نائب صدر مدرس، جناب مولانا قاری عبدالباری قاسمی (فاضل دیوبند) شیخ الحدیث ناظم مدرسہ اسلامیہ اور مولانا محمد طاہر خان صاحب، مولانا حافظ عبداللطیف صدیقی صاحب اور مولانا ابو اسامہ صاحب وغیرہ۔ معہد ملت میں آپکے ممتاز شاگرد مولانا عبدالحمید ازہری اور مولانا محمد حنیف صاحب شیخ الحدیث معہد ملت اور قاضی شریعت مولانا عبدالاحد ازہری دامت برکاتہم ہیں۔ یہ سب حضرات ہمارے شاگردوں میں قابل ذکر اور درس

نظامی کے فن کے پڑھانے میں ایک کامیاب مدرس ہیں۔ ایک عالم باعمل کی حیثیت سے مولانا عبدالباری صاحب زیادہ روشناس ہیں۔ خدا کرے یہ جذبہ نیک تادم آخر قائم و دائم رہے۔ خداوند عالم اس مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء کو علم دین کا سچا اور مخلص خادم اور اسکا طلبہ گار بنادے اور عمل کی لازوال نعمت سے مالامال کرے۔ ؎ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین آباد

مشغلۂ شعر و سخن جو انتخاب ہوں

خاکسار کو شعر و سخن سے دلچسپی بچپن ہی سے رہی ہے اور یہ دلچسپی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب عزیز مرحوم کی صحبت بابرکت میں مسلسل دس برس رہنے اور پڑھنے کے نتیجہ تھی۔ چونکہ وہ اپنے زمانے میں مشہور اہل علم اور استاذ فن شعر و سخن تھے اس وجہ سے اکثر مشاہیر شعراء آپ سے اس فن میں تلمذ خاص رکھتے تھے اور ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں اکثر و بیشتر اپنی غزلوں کی اصلاح کیلئے حضرت اقدس کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ہم یہ سب کچھ دیکھتے تھے اور سنتے تھے اسلئے لامحالہ اس سے متاثر بھی ہوتے تھے چنانچہ پہلی نظم جو تقریباً ۱۴ یا ۱۵ برس کی عمر میں لکھی گئی تھی حضرت نے اسکو سنتے ہی فرمایا کہ آپ مشاعرہ میں پڑھ سکتے ہیں۔ غالباً وہ مشاعرہ صوفی عبدالحق صاحب ساکن اسلام پورہ کے دولت کدہ پر تھا۔ ان کے بچوں کی ختنہ کی تقریب میں پڑھی گئی۔ یہ واقعہ تقریباً اٹھاون ۵۸ سال پہلے کا ہے۔ جس کا مصرعہ تھا۔ نبی کی نعت ہے اللہ کو سنانے کو۔ اتفاق سے مقررہ صدر تشریف نہ لاسکے قرعۂ فال بنام دیوانہ زد نداسکا مطلعہ تھا۔

ہے آرزو مرے دل میں مدینہ جانے کی اور اپنی خاک ٹھکانے سے لگانے کی
وفات جب ہوئی حضرت کی بول اٹھے جبرئیل اجازت اب نہ ملے گی فلک سے آنے کی

اس کو بعد یہ سلسلہ شعر و سخن بطور مشغلہ کے جاری نہیں رہا۔ کیونکہ زیادہ تر اپنی توجہ پڑھنے پڑھانے اور خانگی معاملات کی طرف رہتی تھی۔ مشاعرہ میں رات کو دو تین بجے تک جاگ جاتا اور دوسرے دن اپنے مشاغل کو کماحقہٗ ادا کرنا یہ اپنے بس کے باہر تھا۔ پھر بھی وقتاً فوقتاً کسی جلسے کے لئے یا دوستوں عزیزوں کے مشاعرہ کے لئے کسی بزرگ کی وفات پر یا کسی مضمون کی مناسبت سے حمد، نعت اور

منقبت، مرثیہ اصلاحی اور قومی نظمیں اب تک لکھی جا چکی ہیں جس کے کچھ نمونے حسب ذیل ہیں۔

حمد

اے بے نیاز تیری کنہ کا پتہ نہ ملا　　یہی تلاش وہ ہے جس کچھ صلہ نہ ملا
خدا کی حکمتیں نہ آئیں عقل و ل میں　　تو انجم میں لبیب اپنا فلسفہ نہ ملا

اردو کیساتھ ساتھ کچھ فارسی نظمیں بھی ہیں نعت اور منقبت کی صورت میں وقتاً فوقتاً لکھے گئی ہیں اس میں سے ایک فارسی کی نعت پیش خدمت ہے۔

پئے تبلیغ دین حق امام المرسلیں آمد　　گنہگاران امت را شفیع المذنبیں آمد
پئے فیضان رحمت رحمۃ اللعالمیں آمد　　شدہ ہیبتش لرزاں بس القریں آمد
بجا باشد اگر غار حرا نا زد بجاہ خو　　کہ آنجہ وحی اول بر امام المرسلیں آمد
مبر کسلے حلیمہ سعدیہ از طالع سعدت　　ببیں در خانہ تو دولت دنیا و دیں آمد
شب اسریٰ نمایاں شد عروج سرور عالم　　کہ فرش پائے آنحضرت شدہ عرش بریں آمد
رسول ہاشمی بنگر مآل مازیوں حالاں　　کہ زریں تاج ماپامال بر سطح زمیں آمد

ذکر حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ

عالم دین مبیں شاہ محمد اسحٰقؒ　　مفتئی شرع متیں شاہ محمد اسحٰقؒ
در عمل کردہ بہم شرع و طریقت یکجا　　جامع علم و یقیں شاہ محمد اسحٰقؒ
ہر کہ مخمور شد از بادۂ عرفان شما　　شدہ اور سدرہ نشیں شاہ محمد اسحٰقؒ
چرخ گردوں بہمہ کہنگئی دورانش　　دیدہ باشد نہ چنیں شاہ محمد اسحٰقؒ
اندر آن دم کہ نظر رفت بسوئے گنبد　　شاد شد قلب حزیں شاہ محمد اسحٰقؒ
شفقت یاد چوں آید غم دل پیش بود　　رحمت باد قریں شاہ محمد اسحٰقؒ
ختم شد درس بخاری بزمانت اول　　ساختی عالم دیں شاہ محمد اسحٰقؒ
اکتفا کردہ لبیب بدیں مژدہ کہ شنید　　ہستیت خلد نشیں شاہ محمد اسحٰقؒ

در شان مولانا محمد یوسف صاحب عزیز (سابق نائب صدر مدرسہ بیت العلوم)

آں عالمے کہ نیر تابان علم بود — یکتائے روزگار بدنیائے علم بود
آب حیات بود تشنہ لبان علم — گویا حیات بخش مرضائے علم بود
استاد بود در فن منطق و فلسفہ — در فقہ در حدیث یگمائے علم بود
شیریں مقالہ کہ ز تلمیش چیدہ اند — مرہون خامہ کہ گہربار علم بود
غواص بحر شعر و سخن در زمان خویش — تابندہ گوہرے کہ دریائے علم بود
اظہار حق نمود بہر مجلسے کہ رفت — ایں شیوہ علی کہ ارباب علم بود
الفقر فخری کردہ سرایت بجان او — فقرش مثال فقر امیران علم بود
در بزم شعر خوانی نمایاں چوں سرپرست — یعنی کہ میر نغمہ سرایان علم بود
آں یوسف عزیز کہ مدحش لبیب کرد — استاد نکتہ داں بلیبیان علم بود

نعت

بہ برآئے دل من بکوئے محمدؐ — بہ بینم شب و روز روئے محمدؐ
دریں دیر ناسازگارم فضایش — بیرائے صبا تو بسوئے محمدؐ
بدہ ساقیا تو شراب محبت — شارے کہ آید زجوئے محمدؐ
زہ گلہائے خوش رنگ و خوشبوئے تازہ — عیاں می شود رنگ و بوئے محمدؐ
نہ غالب شد اسلام از تیغ براں — ہما شد مطیعش زخوئے محمدؐ
صبا گر بگذری بکوئے محمدؐ — بگو حال من روبروئے محمدؐ
لبیب حزیں نقد جاں کردہ قرباں — پئے وصل در جستجوئے محمدؐ

آنکھوں میں سما جائے اگر جلوہ نبی کا — ہو آئینہ ہر چیز تری جلوہ گری کا
ہر ذرۂ عالم پہ ترا علم ہے روشن — یہ بھی ہے کرشمہ تری امی لقبی کا

معراج کی شب عرش پہ اللہ سے باتیں — اللہ رے تفوق تری عالی نسبی کا
آنکھوں میں سماتا مرے دل میں اتر آتا — کیا طور ہی مرکز تھا تری جلوہ گری کا
لولاک کما باعث تخلیق دو عالم — احسان ہے ہر اک شئے پہ حیات نبوی کا
اپنوں سے محبت رہی غیروں سے عداوت — دیکھو یہ طریقہ تھا غلامان نبی کا
یاران نبی کا کوئی ہمسر نہ ملے گا — بوبکر و عمر بوذر و عثمان و علی کا
تھی صدق دیانت تری مشہور زمانہ — تھا ذکر رواں تیری سلیم الطبعی کا
کونین کی دولت مجھے حاصل ہو لبیب آج — گر دل کروں ذکر براق نبوی کا

ہر چیز تھی ہر چیز سے بہتر شب معراج — تھا تار نظر جلوۂ دل بر شب معراج
تھا غرق حیا بخت سکندر شب معراج — دولہا کو بنا ساقئ کوثر شب معراج
سدرہ پہ رکے رہ گئے جبرئیل امیں بھی — پھر آپ تھے اور خالق اکبر شب معراج
اللہ رے یہ نقش امت کی تمنا — پوری افلاک پہ جا کر شب معراج
عاشق ہوں ترے کیوں نہ نمازوں کے بھی عاشق — تحفہ ملا اللہ سے مل کر شب معراج
نازل ہوا پہلے ورفعنا لك ذكرك — پھر کر دیا اعلان بلا کر شب معراج
ہر ذرۂ عالم تھا پرستار صبا کا — چھو کر جو چلی زلف معنبر شب معراج
اترانے لگے اپنے گناہوں پہ گنہگار — تجھ سا جو ملا شافع محشر شب معراج
قائل ہے لبیب آپ کا اے سید والا — معراج میں تھا جسم مطہر شب معراج

در منقبت غوث اعظم دستگیرؒ

عنایت جس پہ سایہ فگن اخلاق اکبر کی — محبت کی نظر جس پر رہے محبوب داور کی
حمایت جس کو حاصل ہو محبان پیمبر کی — جو ولدیت میں داخل ہو علم بردار خیبر کی
عنایت آپنے انسان پہ کی بحر و بر پہ کی — وہ جس سے یاد تازہ ہو گئی رحم پیمبر کی

بھلا کیا آبرو ہو گی خدایا ایسے جوہر کی
جناب غوث اعظم یعنی گوہر ابن گوہر کی

لقب کتنا ہے پیارا آپ کو محبوب سبحانی
یقیناً جانشین مصطفےٰ ہیں غوث صمدانی

تعلق سے وطن کے آپ کو کہتے ہیں جیلانی
وگرنہ سارے عالم کے لئے ہو ظل رحمانی

پڑھایا آپ نے بغداد کو درس کلام اللہ
سنایا سننے والوں کو احادیث رسول اللہؐ

ہوا پھر گمرہوں کے واسطے روشن صراط اللہ
جو تھے اصنام کے بندے بنے وہ سب عباد اللہ

قسم ہے نقش انسانی کی اور نقاش اکبر کی
سراپا آپ کا تصویر تھا خلق پیمبر کی

بر وفات حسرت آیات علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

۱۳۵۲ھ بزمانہ طالب علمی جامعہ ڈابھیل میں حضرت والا کیلئے تعزیت میں لکھی اور پڑھی گئی۔

آہ! اے شیخ الحدیث جامعہ فخر زمن
حامی دین متیں اور ماہر ہر علم و فن

ترے جانے سے ہر ایک محفل کا رنگ جاتا رہا
اور خصوصاً جامعہ کا ہو گیا سونا چمن

تھا ترا ہر لفظ مومن کیلئے آب حیات
اور ہر نکتہ تھا باطل کیلئے دار و رسن

ان کی رحلت سے بشیر الدین مرزا خوش نہ ہو
ان کا ہر شاگرد ہے تیرے لئے دنداں شکن

وہ ترا درس بخاری اور تحقیق عمیق
جس میں مانا تھا تجھے دنیا نے یکتائے زمن

جس کی برکت سے نہ کچھ معمور ہے ہندوستاں
بلکہ ہے مرہون منت آج تک چین و یمن

یوں تو دنیا میں بہت آئے محدث اور فقیہ
لا نہیں سکتا مگر ثانی ترا اے چرخ کہن

مدتوں سے ہم نے چھوڑا تھا وطن جسکے لئے
اور یہاں رہ کر اٹھائے سینکڑوں رنج و محن

آہ وہ سیراب گاہ تشنگان علوم
سو رہا ہے قبر میں باندھے ہوئے سر سے کفن

اس مری آہ و فغاں پر غیب سے آئی نداء
تو فراق شاہ میں اس طرح سے مجنوں نہ بن

تیری اسکیں کیلئے کافی ہیں شبیر و سراج
اپنے اپنے طرز میں ہر ایک ہے در عدن

اور وہ حضرات ابابرکات جن پر مدتوں
فیض انور شاہ کشمیری رہا سایہ فگن

شیخ سے قلبی محبت ہے اگر تجھ کو لبیب
پھر دعائے خیر کا پابند رہ سر و علن

مدنپورہ بمبئی میں ایک تحریک اٹھی تھی کہ محلے کے جملہ مسلم دکانداروں کو ہدایت کی جائے کہ وہ جمعہ کی ادائیگی کی لئے دن کے بارہ بجے سے دو بجے تک دکان بند رکھیں اس کے لئے ایک اشتہار نکالا گیا تھا جس میں نماز جمعہ کی فضیلت بیان کی گئی۔ اور ہم نے سورہ جمعہ کی دوسری رکوع کا ترجمہ و تفسیر لکھا تاکہ اس نیک منصوبہ پر عمل کرنا آسان ہو۔ اس اشتہار میں کچھ جگہ خالی رہ گئی تو کاتب نے ہم سے پوچھا کہ یہاں کیا لکھیں تو ہم نے مذکورہ مضمون سے متعلق چند اشعار لکھکر دے دیا۔

تمنا آبرو کی ہے اگر فردائے محشر میں — تو احکام شریعت پر عمل کرنے کی خو کرلے
نماز جمعہ اور سستی یہ مومن سے نہیں ممکن — کہ اپنے دل میں وہ پیدا نفاق رنگ و بو کرلے
نماز جمعہ پڑھنی ہے جو اطمینان سے تجھ کو — تو وقت جمعہ سے پہلے ہی تو غسل و وضو کرلے
حضور قلب کی خواہش ہے گر تجھ کو عبادت میں — تو پرواز تخیل سے خدا کو روبرو کرلے
تمنا ہے نماز عشق پڑھنے کی اگر تجھ کو — سراپا شوق بن کر ہر بن مو قبلہ رو کرلے
ولایت کا دھنی ہو غوث ہو اپنے زمانے کا — لبیب اپنی طرف مائل اگر یہ ماہ رو کرلے

شعر و سخن

۱۹۴۹ء بروز پیر کی صبح کو آٹھ بجے جب ہماری رفیق حیات سکینہ بی والدہ مولوی محمد امین الدین معاون تیلی محلہ مدرسہ اور وصیات میونسپل بمبئی کو انتقال پر ملال ہوا۔ چونکہ ان کا ساتھ ایک اہل علم اور اہل درس کا ساتھ اور کبھی آپس میں کوئی رنجش کوئی جھگڑا پیش نہیں آیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کی یاد میں کچھ اشعار موزوں کئے جاتے ہیں تو ایسے وقت میں اصل موضوع کا خیال بار بار آتا ہے اسلئے رنج و غم میں کچھ کمی اور ایک طرح سے تسلی ہو جاتی ہے۔ اسی بنیاد پر برائے تسلی ہم نے مندرجہ ذیل اشعار اس زمانہ میں موزوں کئے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے مجنوں کو دیکھا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے زمین پر کچھ لکھ رہا ہے تو اس نے کہا کہ

گفتے مشق نام لیلیٰ می کنم — خاطر خود تسلی می دہم

کسی کی یاد میں آنسو بھی ہم بہا نہ سکے
فراق یار کے صدمے بھی ہم اٹھا نہ سکے

وہ بے حجاب مرے سامنے جو آ نہ سکے
گذر رہی تھی جو دل پر انہیں سنا نہ سکے

شب فراق تری صبح کھو گئی ورنہ
تلاش کر کے بھی سراغ پا نہ سکے

تمہارے چہرۂ رنگیں سے تھی بہار چمن
قضا کے دور سے اس کو بھی ہم بچا نہ سکے

نہاں خانۂ دل میں چھپا ہے اک عالم
وہ راز عشق ہے جس کو کہ ہم چھپا نہ سکے

ہماری آہ سے اک اوس پڑ گئی سب پر
مگر وہ آتش غم جس کو ہم بجھا نہ سکے

فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے یہاں ہر چیز
میں اس خیال کے صدقے جو آ کے جا نہ سکے

لب ان کی یاد نے گھر کر لیا ہے دل میں لبیب
ہزار بار بھلا کر بھی ہم بھلا نہ سکے

ہمارے ایک شاگرد کی سالگرہ اواڑی ندی کے پل کے نیچے منائی جانے والی تھی اور اس میں ایک مشاعرہ ہماری صدارت میں ہونے والا تھا۔ طرح مصرع بھی کانٹے دار دیا گیا تھا۔ چونکہ مشاعرہ جنگل میں طے تھا یعنی ؎ نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ۔ اسی کے ساتھ یہ تذکرہ بھی آیا کہ مولانا نعتیہ کلام صرف لکھ سکتے ہیں یا کچھ اصلاحی مگر غزل نہیں کہہ سکتے۔ اس سلسلہ میں ہماری یہ عادت ہیکہ نثر ہو یا نظم، دینی ہو یا دنیوی حیثیت سے مفید ہو تو بہتر ہے۔ صرف واہ واہ کا حامل نہ ہو۔ مگر وہ چونکہ ایک قسم کی علمی تنقیص تھی اسلئے افتاد طبع کے خلاف اسطرح پر بعض اور طرحوں پر بھی بصورت غزل طبع آزمائی کی گئی ؎

مست ہو جاتا ہے دل جب مئے گلفام کیساتھ
تو نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کیساتھ

وہ سر بزم اگر جلوہ نمائی کرتے
شوق نظارہ بھی اٹھ جاتا لب بام کیساتھ

خوگر جور و ستم ترے تہور کی قسم
آگے بڑھتا ہی رہا تو سحر و شام کیساتھ

بار غم زیر کریں دل کو یہ ممکن ہی نہیں
ربط ہو جاتا ہے دل غم و آرام کیساتھ

کیوں پسند آگئی ان کو عبادت میری
دل بھی جھکتا ہی رہا سجدۂ ہر گام کیساتھ

زیر لب تیرا تبسم میری ناکامی پر
یہ بھی ہے ایک تمسخر دل ناکام کیساتھ

کم نگاہی سے ہے زہر آب مئے ناب لبیب
مدھ بھری آنکھ بھی ہو بادۂ گلفام کیساتھ

غزل دیگر مصرع طرح ۔ تجھکو رنگینئی محفل کی خبر ہے کہ نہیں۔

مضطرب ہوں تجھے کچھ اس کی خبر ہے کہ نہیں
آہ سوزاں کا مری تجھ پہ اثر ہے کہ نہیں

نبض تو دیکھ ذرا سوز جگر ہے کہ نہیں
عاشق زار ترا گرم سفر ہے کہ نہیں

میں نہ پوچھوں مرے نالوں میں اثر ہے کہ نہیں
مضطرب میری طرح تیری نظر ہے کہ نہیں

جس کو تاکا اسے دنیا سے اٹھا کر چھوڑا
جان لیوا ترا پیکان نظر ہے کہ نہیں

کس طرح مان لوں کاشانہ ہے میرا محفوظ
اس کی جانب نظر برق وشرر ہے کہ نہیں

ہر گھڑی تیر ہی برساتے رہو گے مجھ پر
میری تسکین بھی کچھ مد نظر ہے کہ نہیں

تابش چہرۂ انور پہ فدا ہونے کو
گردش شام وسحر شمس وقمر ہے کہ نہیں

سادگی چھوڑ دے کب تک تو رہیگا سادہ
تجھکو رنگینئی محفل کی خبر ہے کہ نہیں

سب سمجھتے ہیں ستانا ہے بڑا عیب لبیب
ان کی نظروں میں مگر یہ بھی ہنر ہے کہ نہیں

تضمین بر اشعار حضرت صباجے پوری

کون ہے جو تری زلفوں کا گرفتار نہیں
کس کی تسکین کا باعث ترا دیدار نہیں

وصل حاصل ہو مقدر سے یہ دشوار نہیں
میری تسکین کا باعث ترا اقرار نہیں

میں تری ہاں کو سمجھتا ہوں سمگار نہیں

سعئ میں جو رہ جائیگی تھوڑی سی کسر
نامرادی میں گذر جائینگے یہ شام وسحر

سارے افلاک حمایت میں ہوں با شمس وقمر
آنکھ لگتے ہی مجھے خواب میں تم آؤ نظر

اتنا بیدار مرا طالع بیدار نہیں

اپنی بگڑی ہوئی تقدیر سنورنے نہ دیا
غضب آلود نگاہوں پہ نگاہ کس نے کیا

تضمین بر اشعار حضرت صباجے پوری

تیغ کا کام نگاہوں سے اگر اس نے لیا
وہ بھی مر جائیں گے مرنے کو جو تیار نہیں

اختلافات کی دنیا کا فسانہ یہ ہے
نازنینوں کی نزاکت کا نظارہ یہ ہے

باہمی جنگ و تعلی کا تماشہ یہ ہے　　وعظ حضرت واعظ کا خلاصہ یہ ہے

سب گنہگار مگر خود وہ گنہگار نہیں

جب اذیت رہ الفت میں سہی جائیگی　　بات جو دور ہے نزدیک چلی آئے گی

چھیڑ خوباں سے جو اسطرح چلی جائیگی　　بات وہ بھی کسی موقع سے کہی جائیگی

جو مجھے سہل نہیں آپ کو دشوار نہیں

آج کی رشد و ہدایت کو ضلالت سمجھو　　موت آجائے جو اسوقت غنیمت سمجھو

علم حاضر جو پڑھا اسکو جہالت سمجھو　　آج عزت بھی جو مل جائے تو ذلت سمجھو

آجکل زیست سے بڑھ کر کوئی آزار نہیں

کیا لبیب آپ کے ہمراہ رہا کرتا تھا　　باغ دل کس کی رفاقت سے ہرا کرتا تھا

اب نہ پوچھو کہ کبھی ساتھ رہا کرتا تھا　　وہ گئے دن کہ صبا سے وہ کہا کرتا تھا

ساتھ جو تو ہو تو لطف گل و گلزار نہیں

قومی و اصلاحی نظمیں

آج سے پینتیس ۳۵ برس پہلے بمبئی میں مومن جماعت خانہ کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں عوام کو متوجہ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا تھا اور اتفاق سے اس روز بارہ ۱۲ محرم تھی اور بہت سے باہر کے علماء شہر میں موجود تھے۔ جو ماہ محرم میں دس روز وعظ و تقریر کے لئے ہر سال بمبئی میں بلائے جاتے تھے ان میں سے منتخب علماء کرام کو اس جلسہ مین تقریر کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اس جلسہ میں لوگوں پر چندہ دینے کے لئے اثر انداز ہونے کے لئے ایک نظم بصورت مسدس ہم نے لکھ کر سنایا تھا۔ شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والے علماء کرام کی طرف سے داد تحسین بھی حاصل کیا تھا۔ ؎

تھے مرد مسلماں کبھی ایثار مجسم　　غم خواریٔ انسان میں غم خوار مجسم

پابندیٔ احکام میں دیدار مجسم　　لفاظ نہیں بلکہ تھے کردار مجسم

مصروف سخاوت ہیں خواتین بھی دن رات
دنیا پہ عیاں نہر زمیدہ سے ہے یہ بات

وہ ابر کرم بحر سخا منبع احساں
قدموں نے کیا جن کے بیاباں کو گلستاں

بوبکرؓ و عمرؓ و حیدرؓ کرار و عثمانؓ
دنیائے سخا میں تھا ہر اک نازش دوراں

پھر حضرت حسنینؓ کل اصحاب پیمبر
دنیائے سخا کی تھی نظر ان کے کرم پر

کیا آپ ان اسلاف کے ہیں ماننے والے
اپنا رہبر دہر میں گردانے والے

اور ان کے اصولوں کو ہیں پہچاننے والے
پھر طعنہ زنی کرتے ہیں کیوں جاننے والے

ایثار و محبت کا سبق بھول گئے تم
ہر سوکھے ہوئے ٹکڑوں پہ بس پھول گئے تم

ہے کوئی جو اس پردۂ غفلت کو اٹھادے
سوئی ہوئی قسمت کو ہماری وہ جگادے

آثار صحابہ پہ ہمیں آکے چلادے
ہاں راہ ترقی پہ ہمیں اتنا بڑھادے

پھر بیوۂ مسکین کا گھر، گھر ہو ہمارا
سرکش جہاں سجدے کریں وہ در ہو ہمارا

کچھ ہم میں ہیں موجود صاحب خیرات
جو خدمت قومی کے بھی رکھتے ہیں خیالات

ہے قوم کو بھی ان پہ بہت فخر و مباہات
ہے عرض لبیب ان سے کو فرماتے ہیں عنایات

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے ابر کرم بحر سخا کچھ تو ادھر بھی

نور نبی سے دل کو فروزاں بنائیے
اپنے جہاں کو آپ درخشاں بنائیے

بچوں کو علم دین سے کر دیجے بہرہ مند
پہلی صدی کا یعنی مسلماں بنائیے

ہو آبیاریٔ شجر قوم اسطرح
ہر فرد قوم کو گل خنداں بنائیے

تشنہ لبان قوم کو سیراب کر سکیں
اس سرزمیں کا چشمۂ حیواں بنائیے

ہمت بلند عزم بنا کر کے آہنی
دشواریٔ حیات کو آساں بنائیے

محتاج زر رہیگا نہ ملت کا کوئی کام
گر ہر غنی کو تابع عثماں بنائیے

قرآن پر عمل ہو احادیث حرز جاں
پھر برہمن کو آپ مسلماں بنائیے

اشعار ہی سے کیوں نہ اٹھا کر کے ابر نو
اجڑے ہوئے دیار کو گلستاں بنائیے

بیدار پختہ قوم ہو جوش عمل کا زور
ایسا لبیب کاش کہ دیواں بنائیے

اشعار

ہماری کوششیں بھی زندہ وجاوید ہو جائیں
اگر ہم مرمٹیں ہر ہر ادا پر اپنے افسر کی

کہاں یہ سرکشی اور پیٹ حیوانوں کا قبرستاں
کہاں وہ غزوۂ خندق میں سل پیٹوں پہ پتھر کی

یہ فاقے اور پھر اس پر عمل کی یہ فراوانی
کہ سر سجدہ میں تھا دل میں لگن تھی فتح خیبر کی

تمسخر دین سے سرکشی احکام ملت سے
ارے ظالم نہ تڑپا روح صدیق اکبرؓ کی

ہے ناممکن اگر اس پر تمنائے خلافت ہے
دعا اس باب میں خالی گئی نوح پیمبر کی

ہر ظلمت گاہ ایک دن مطلع انوار ہو جائے
جو عثمانیؓ سخاوت ہو غرض پیدا ہو حیدرؓ کی

لبیب انفاس اپنے مشعلہ راہ ہدایت ہوں
اگر ہر سانس میں تقلید ہو شبیر و شبر کی

رباعیات

چند قطعات بوقت جشن آزادی، حسینی باغ، بمبئی کے جلسہ کے لئے لکھی اور پڑھی گئی ۱۹۵۰ء۔

شوکت کا نشاں بن گئی جمہوریۂ ہند
وحدت کی زباں بن گئی جمہوریۂ ہند

لازم ہے اخوت کی فضا ہم کریں پیدا
پیغام اماں بن گئی جمہوریۂ ہند

مبارک ہو تمہیں اے ہندوالو جشن آزادی
کلید بام رفعت تم بنالو جشن آزادی

نہ ہو اپنوں میں جھگڑا اور نہ قوموں میں تصادم ہو
نشاں راہ الفت تم بنالو جشن آزادی

اتحاد باہمی سے ہم نے پایا ہے کمال
ہاں اسی غارے سے بڑھ جاتا ہے قوموں کا جمال

دیکھ کر تاریخ عالم ہم نے سمجھا ہے لبیب
دامن وحدت چھٹا اور آگیا سر پر وبال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدالناس کی تفسیر لکھتے ہوئے آخر میں بطور خلاصہ یہ مسدس لکھی گئی۔

کیوں ہے مسلم تجھ پہ نکبت کی گھٹا چھائی ہوئی
کیوں مصیبت ہر طرف سے تجھ پہ ہے آئی ہوئی

کیوں تری صورت نظر آتی ہے مرجھائی ہوئی
کیوں تری تصویر ہے خود تجھ سے شرمائی ہوئی

ہاتف غیبی نے دی آواز اس پر اے لبیبؔ
شامت اعمال سے بگڑے ہیں مسلم کے نصیب

نعت

کیا کہوں کیا ہیں رسول ہاشمیؐ میرے لئے
دونوں عالم میں غنیمت ہے یہی میرے لئے

گنبد خضرا کی کیا توصیف ہو گی میرے لئے
رشک جنت ہے مدینہ کی گلی میرے لئے

ولایت

یہ ولایت بھی عجب دولت ہے
جس پہ قرباں ہر ایک نعمت ہے

دونوں عالم بھی ہوں قیمت میں لبیب
پھر بھی سمجھ کہ یہ کم قیمت ہے

جس قدر سانس لئے جاتے ہیں
ہم سمجھتے ہیں بڑھے جاتے ہیں

یہ سمجھتے نہیں نادان لبیب
موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں

شریعت پر عمل

جو سمجھتے ہیں شریعت پہ عمل ہے دشوار
ان کی نظروں میں سمایا ہے شعار و اغیار

سب ہوں مشکل بجز احکام شریعت اے لبیبؔ
وہ بلال حبشی بن کے تو دیکھیں اک بار

بچوں کے لئے

مل کر ہم سب پڑھیں پڑھائیں
علمی طاقت خوب بڑھائیں

نیکی کے گر بھی سکھلائیں
نیک بنیں اور نیک بنائیں

ماں اور باپ کا کہنا مانیں
استادوں کی بات نہ ٹالیں

حکم خدا کو سامنے رکھیں
اور رسولؐ کو راضی رکھیں

اپنے بزرگوں پر ہوں قرباں
جن کے ہیں ہم پر لاکھوں احساں

راہ محبت ہم کو بتائی
بن گئے دشمن بھائی بھائی

کلمہ ہم پڑھتے ہیں جن کا
ان کی محبت کا ہو چسکا

یہ دنیا اور سات زمینیں
ہفت فلک اور اسکی چیزیں

کام ہمارے سب آتی ہیں حمد خدا کی سب گاتی ہیں= دانہ دنکا گھاس اور بھوسہ یا روٹی ہو اور سموسہ

کھا جاتے ہیں ہم سب ملکر — یہ نہیں جانا، ہیں یہ کیوں کر
کھا کر جب ہم طاقت پائیں — سامنے رب کے سر کو جھکائیں
یا رب ہم کو نیک بنادے — اپنا بندہ ہم کو بن ادے
ہم سب ملکر رہنا سیکھیں — لکھنا سیکھیں پڑھنا سیکھیں
کہتا ہے لبیب اپنوں سے یہی اب — دل سے پڑھو اور نیک بنو سب

ترانہ : اے مدرسہ اسلامیہ

اے نمود زندگی اے مدرسہ اسلامیہ — علم کی اک روشنی اے مدرسہ اسلامیہ
تجھ سے پائی برتری اے مدرسہ اسلامیہ

باعث جذب عمل تیرا ہر اک پیغام ہے — کیف میں ڈوبی ہوئی تیری یہ صبح و شام ہے
ہے تری یہ روشنی اے مدرسہ اسلامیہ

دامن امید بھی علم و ہنر سے بھر گیا — ہے جو لاثانی ہمیں تو نے وہ گوہر دے دیا
کیوں نہ چمکے روشنی اے مدرسہ اسلامیہ

رہبر منزل ہے تو اور ہم ہیں منزل کے قریب — کر دیا ہے آج تو نے ہم کو ساحل کے قریب
واہ تیری رہبری اے مدرسہ اسلامیہ

خاک کے ذروں کو تو نے کر دیا عزت مآب — تیرے فیض علم سے کتنے ہوئے ہیں فیضیاب
کیسی ہے عظمت تری اے مدرسہ اسلامیہ

ملت اسلامیہ کی ہے یہ اونچی درسگاہ — اللہ اللہ کی صدا آتی ہے ہر شام و پگاہ
تجھ پہ رحمت ہر گھڑی اے مدرسہ اسلامیہ

اے خدا یہ شمع دینی اور بھی روشن رہے — حشر تک قائم یہ اپنا علم کا گلشن رہے
ہے دعا انوری اے مدرسہ اسلامیہ

اقتباس : ایک تقریر بصورت تحریر بدست حضرت علامہ لبیب انوری صاحبؒ

الحمد لله وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو　　مدت ہوئی ہے دعوت مژگاں کئے ہوئے

حضرات مدرسین طلباء و محترم اراکین و عہدیداران و جملہ بہی خوان مدرسہ اسلامیہ!

اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ الکریم۔ وان تعد نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم سب اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو بھی ہرگز ہرگز نہ گن سکو گے۔ حضرات یہ آیت اپنے معنیٰ و مطلب کے لحاظ سے اس ودر ظاہر وباہر ہے کہ اس پر کسی مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔اللہ کی نعمتیں اسقدر ہیں کہ واقعی ان سب کو آدمی کس طرح گن سکتا ہے۔ اندر باہر آگے پیچھے زمین وآسمان دریاندی، نالے غرض یہ سب اسکی عظیم الشان نعمتیں ہیں۔جو انسان کے لئے قدرت کاملہ کا عطیہ گراں بے بہا ہے۔اسی طرح ماں باپ بھائی بہن بال بچے یہ سب بھی عطیۂ خدلوندی ہے اور اگر ان میں سے کسی کے لئے کوئی قیمت ادا کی ہو تو وہ بتلایا جائے۔زمین وآسمان کی آپ نے کیا قیمت ادا کی ہے۔ماں باپ بھائی بہن کی پیدائش اور ان کی محبت کے حصول کے لئے آپ نے کتنے روپئے ادا کئے ہیں۔ پھر خود اپنے ہی ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ دل و جگر ان کے لئے آپ نے کیا قیمت ادا کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عظیم الشان نعمتیں خدا نے ہم گنہ گاروں کو بلا معاوضہ بلا کوئی قیمت بلکہ بے مانگے دیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہیکہ خدا کی دین کا کوئی مقابلہ تو کیا کر سکتا ہے اس کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتا۔ حقیقت وہی ہے جو مولانا روم نے فرمایا کہ : من نکردم خلق تاسودے کنم　　بلکہ تابر بندگان جودے کنم

میں نے مخلوق کو اپنے فائدے کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ صرف اسلئے تاکہ ان پر جود و کرم کی بارش کروں جیسے کبھی کبھی ماں باپ اور سرپرست کیا کرتے ہیں۔ کہ لاؤ آج بال بچوں کو زیادہ سے زیادہ کھلاؤں پلاؤں۔آج ان پر کھانے پینے اور طرح طرح کے میووں فروٹ اور پلاؤ زردہ و دیگر ماکولات و مشروبات اور ملبوسات کی ایسی بہتات کروں کہ ان کو استعمال کر کے ان کو کھا پی کر ان کو پہن اوڑھ کر اور گھر کے لوگ خوش ہوں۔

اور میں ان کی خوشی کو دیکھکر خوش ہوں۔ مگر یہ بات اور کام والدین اور سرپرست کبھی کبھار کرتے ہیں۔ مگر منعم حقیقی جل مجدہ ابتداء آفرینش سے آج تک اور آج سے تا قیامت تک ایسا ہی کرتا رہا اور کرتا رہیگا۔ مگر آپ نے کبھی سوچا کہ ان نعمتہائے بیکراں انعامات بے انتہا کے مقابلہ میں ہم کیا کر رہے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے : ان الانسان لظلوم کفار۔ کہ ادھر دیکھو کہ میری نعمتوں کو جو حضرت انسان پر ہیں اس کی تو کوئی انتہا نہیں مگر انسان کا کیا حال فرماتے ہیں کہ بے شک انسان بہت ظالم اور ناشکرا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وقلیل من عبادی الشکور۔ میرے بندوں میں شکر گذار بہت کم ہیں۔ سوچئے تو کیا ہمارا یہ بدلہ یہ عمل یہ کفران نعمت نعمتہائے خداوندی کے مقابلہ میں کسی طرح زیبا ہے۔ پھر نعمت جس قدر اہم ہوگی اس کا شکریہ بھی اسی قدر اہم واجب اور ضروری ہوگا۔ اگر مادی نعمتوں کا کفران انسان کو ظالم ناقدر شناس بنا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی روحانی نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کرنا باعث صد ہزار افسوس اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق نہ بنے۔ ہماری روحانی ترقی اور روحانیت کے تزکیہ اور تصفیہ کے لئے ایک لاکھ کئی ہزار پیغمبر بھیجے۔ پھر آخر میں نبی الانبیاء افضل الرسل غوث الوریٰ شمس الہدی جناب احمد مجتبیٰ و سید الکل علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کو سراپا ہدایت سراپا نور سراپا حلم بردبار۔ خاصکر مومنوں کے لئے رؤف رحیم بنا کر بھیجا۔ ایسا رؤف رحیم کہ فرمایا اگر نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگہ میں ہوتا تو ساڑھے نو سو برس تک رشد و ھدایت کرنے کے بعد بھی ان کے انکار حق پر مایوس ہو کر عام تباہی کے لئے بد دعا نہ کرتا۔ ذرا غور فرمایئے کہ ایسا رؤف رحیم اور رحمۃ اللعالمین نبی اور شفیع المذنبین ہماری ہدایت کے لئے روحانی تربیت کے لئے بھیجا پھر اس پر مزید طرہ یہ کہ ہم گنہ گاروں کو اس کی امت میں پیدا کیا۔ مگر کیا ہم خداوند عالم کے اس روحانی احسان کا نبیوں کی ہدایت اور اس سلسلے میں ان کی تکالیف شاقہ کا کوئی شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے انسان کی روحانی تعلیم و ترقی کے لئے اپنے بعد ایک لاکھ سے زیادہ صحابہؓ جن کی شان تھی اصحابی کا النجوم با یھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے صحابہؓ تاروں کی طرح ہیں جن کی اتباع کروگے راہ ہدایت پاجاؤ گے۔ دنیا شاہد ہے کہ ان کے صحابہؓ کی اکثریت نے اپنا دن اور رات کا عیش و آرام سب مخلوق خدا کی ہدایت اور ان کی بھلائی پر قربان کردیا۔ دنیا کے عیش و آرام کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ دین اسلام سربلند ہو۔

مسلمانوں کا سر اونچا ہو۔ ائمہ مجتہدین سیدنا امام اعظمؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ۔ امام احمد حنبلؒ ان سب نے اپنی ساری زندگی قرآن و حدیث آثار صحابہؓ سے مسائل اخذ کر کے ایک جگہ جمع کر دئے تاکہ امت محمدیہ ﷺ کو مذہب اسلام اور احکام اسلام پر عمل پیرا ہو کر تزکیہ نفس کے کام کو ترقی دینے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اسی طرح بزرگان طریقت سید الطائفہ غوث الاعظمؒ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت زکریا ملتانیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ و دیگر صوفیان باصفا نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ مخلوق خداوندی کا تزکیہء نفس کر کے خالق حقیقی تک پہنچانے میں جدوجہد کی ہے۔ اس سے کون ناواقف ہے۔ مگر ہائے افسوس ہماری غفلت، ہماری دنیاداری نے اپنے اسلاف ان کے احسانات، ان کے کارناموں سے یکسر غافل کر دیا ہے۔ یعنی بقول علامہ اقبال مرحوم کے

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے　　تم مسلماں ہو یہ انداز مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے نہ دولت عثمانی ہے　　تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اور پھر آگے فرمایا

کون ہے تارک آئین رسول مختار　　مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار　　ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

بزم عزیز کے جلسۂ سیرت میں مشاعرہ کیلئے لکھی گئی جو ۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ کو منعقد ہوا تھا۔

نعت شریف

از حضرت مولانا جمال الدین صاحب لبیب انوری ناظم تعلیمات مدرسۂ اسلامیہ بڑا قبرستان

جس دل میں محبت ہے سرکار دو عالم سے　　اس دل میں حلاوت ہے سرکار دو عالم سے
عشاق کو الفت ہے سرکار دو عالم سے　　ہم کو بھی محبت ہے سرکار دو عالم سے

اسلام کی بنیادیں قائم ہیں صحابہؓ پر — پائی یہ شرافت ہے سرکار دوعالم سے
احکام نبوت پر لازم ہے عمل ہم کو — عصیاں تو بغاوت ہے سرکار دوعالم سے
اخلاق مروت کے اسباق دیے کس نے — تعلیم محبت ہے سرکار دوعالم سے
دراصل رسالت تو احمد کی رسالت ہے — لوروں کی رسالت ہے سرکار دوعالم سے
رکھ دل پہ لبیب اپنے غالب تو شریعت کو ملتی یہ ہدایت ہے سرکار دوعالم سے

آخری ایام

الحاج حضرت مولانا جمال الدین صاحب لبیب انوری ۲۹ محرم ۱۳۷۵ھ سے مسلسل ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ (۱۱ ستمبر ۱۹۵۵ء سے مسلسل ۷ جنوری ۱۹۸۷ء) یعنی ۳۲ سال تک مدرسہ اسلامیہ کی ترقی و تعمیر وبقا کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مدرسہ اسلامیہ کا ششماہی امتحان ۶ جمادی الاولیٰ کو ختم ہوا اس دن بھی آپ نے فارسی زبان کی ایک کتاب حکایات لطیف کا امتحان لیا اور جمعرات کے دن ۷ جمادی الاولیٰ کو حسب سابق مدرسہ کی تعطیل تھی اور جمعہ کے دن ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ ۹ جنوری ۱۹۸۷ء علی الصباح اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غرض کہ آپ نے ایک دن بھی مدرسہ کا ناغہ نہیں کیا۔ تاحیات مدرسہ سے متعلق رہے۔ بیماری کے ایام میں بھی روزانہ کئی کئی گھنٹہ تک مدرسہ میں حاضر رہتے اسطرح سے حضرت کو ایک طرح کا سکون حاصل ہوتا۔ مکاں پر رہتے ہوئے بھی ہمہ وقت مدرسہ کا خیال رہتا تھا۔ الحمد للہ یہ دینی خدمت حضرت کیلئے ایک بہت بڑا صدقۂ جاریہ ہے۔

تاریخ وفات ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ ۹ جنوری ۱۹۸۷ء بروز جمعہ۔ تدفین بعد نماز جمعہ متصلاً بڑا قبرستان، مالیگاؤں۔ نماز جنازہ حضرت مولانا موصوف کے فرزند ارجمند مولانا امین الدین اسمی صاحب نائب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ نے پڑھائی۔ حضرت کے پانچ ۵ لڑکے اور ایک لڑکی بقید حیات ہیں۔ بڑے صاحبزادے شمس الدین ماسٹر ٹیچر پرائمری اسکول اور زین الدین صاحب اور تیسرے صاحبزادے حضرت مولانا قاری امین الدین صاحب قاسمی اور چوتھے صاحبزادے مولوی فقیہ الدین اور پانچویں صاحبزادے عظیم الدین صاحب اور لڑکی رضیہ خاتون ہیں۔ آپکی تین رفیقہ حیات ہوئیں لیکن یکے بعد دیگرے ہر ایک آپکی حیات مبارکہ ہی میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت عطاء فرمائی۔

عبدالباری قاسمی عفی عنہ خادم مدرسہ اسلامیہ، مالیگاؤں

۲۸ جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ
ابوالحکیم ابن نصیر ملی
۱۱ نومبر

اعظمی بیکری اینڈ سوئٹس

ہمارے یہاں ہر قسم کے بہترین بیکری آئٹم دستیاب ہیں۔
ایک بار تشریف لاکر آزمائش کیجئے۔

پتہ: آزاد نگر پولس اسٹیشن کے سامنے، مالیگاؤں

گھر کا پتہ: رحمت آباد، مالیگاؤں

افلاطون، بنگالی، رس ملائی، ٹھنڈا مسالہ دودھ
اور ہر طرح کی بہترین اور تازہ مٹھائیاں تیار ملتی ہیں۔

رفیق سوئٹس اینڈ کولڈ رنکس

آرڈر کے مطابق مال تیار کر کے مناسب دام میں ملے گا۔

رمضان کا خاص آئٹم ملپواء رس ملائی ربڑی ملائی

چندن پوری گیٹ فون نمبر 437216

مکان نیا پورہ، گلی نمبر ۱۳، فون نمبر 430981